Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

•جلد 11/ •شمارہ 01/ •جولائی/ 2021

حج و قربانی کا خاص پیغام

نفسانفسی

نوجوان نسل کا اغوا

گھر

پیارے اللہ جی!

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

91400056741

BAITUSSALAM

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

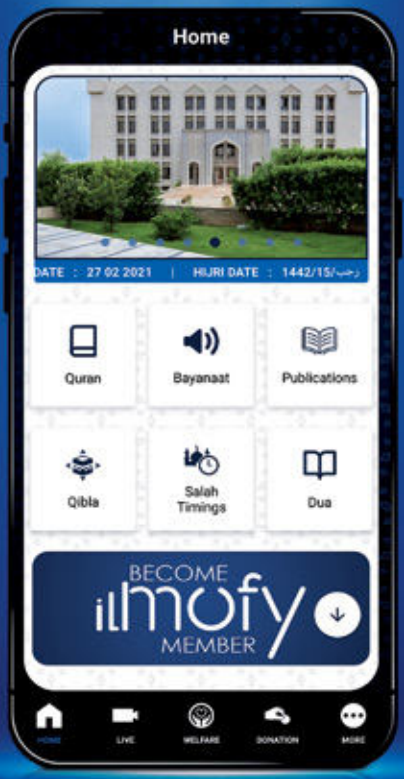

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)

ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو، انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

- تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
- شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
- حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
- اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
- بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
- اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust | baitussalamwelfaretrust | Baitussalam
baitussalam_org | 923162881088 | Baitussalam_Org

ماہ نامہ
فہمِ دین
کراچی

جولائی 2021

فہم وفکر

نصاب میں تبدیلی، نئی نسل کا اغوا — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05

فہم حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ — 06

آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ — 08

مضامین

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا — ندا اختر — 10

میانہ روی — آسیہ عمران — 12

مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 14

اپنی دنیا آپ پیدا کر — جوہر عباد — 16

اعصابی امراض — حکیم شمیم احمد — 17

خواتینِ اسلام

گھر — ام نسیبہ — 20

بلاعنوان — فروا مشتاق — 21

پیارے اللہ جی! — مہوش اسد — 23

ننھا اور ننھی — بنت ایوب مریم — 24

قربانی والی عید — نبیلہ شہزاد — 25

پہلی قربانی — محمد احمد رضا انصاری — 27

روشنی کا تاجر — اہلیہ محمد فیصل — 29

باغیچہ اطفال

احمد کا ونبہ — عمارہ فہیم — 31

اسماعیل کی باتیں — ام محمد مصطفیٰ — 32

بازگشت — قرۃ العین خرم شہزاد — 33

مارخور — فوزیہ خلیل — 34

صدیوں پرانا راز — محمد فیصل علی — 35

انور رکشے والا — محسن ابڑو حیدری — 36

سچ کا پیالہ — ڈاکٹر الماس روحی — 37

واقعی بہت پچھتایا — سمیرا انور — 38

گرمی نے پھر رعب جمایا — صائقہ نوری — 38

بچوں کے فن پارے — 40

انعامات ہی انعامات — 41

بزمِ ادب

مجھ کو مولا سے میرے ملا دیجیے! — ساجدہ بتول — 42

نفسا نفسی — جوہر عباد — 43

گلدستہ — 44

اخبار السلام

فلسطینی بھائیوں کے لیے خدمات — خالد معین — 46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

مدیر: محمد خرم شہزاد
نائب مدیر: قاری عبدالرحمٰن
نظرثانی: طارق محمود
تزئین وآرائش: ایم اے کے انوویشن

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@baitussalam.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ فیس: 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک: 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر
مطبع: واسا پرنٹر
مقام اشاعت: دفتر فہم دین

نصاب میں تبدیلی نوجوان نسل کا اغوا

مدیر کے قلم سے

کیا پاکستانی معاشرہ اسلامی معاشرہ نہیں ہے؟ پھر کون ہے جو اقلیتوں کا نام لے کر مسلم معاشرے سے اسلامی اوصاف مٹانے پر تُلا ہوا ہے؟

اگر ہمارے بچے اسکول میں اسلامیات پڑھتے ہیں اور اس میں دینی تعلیم ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ ان کی معاشرتی علوم اور اردو کی کتابیں اسلامی کلچر اور ثقافت سے بالکل خالی کر دی جائیں۔ معاشرتی علوم اور اردو میں یقیناً قرآن مجید کی سورتیں اور موقع موقع کی دعائیں نہیں سکھائی جائیں گی، لیکن ان کتابوں میں پاکستان کے اسلامی اور مشرقی کلچر کی تعلیم تو بچوں کو لازمی طور پر دینی ہو گی، اس سے اقلیتوں کے حقوق پر کہاں سے ڈاکہ پڑنے لگ گیا؟

اقلیتوں (غیر مسلم اقوام) کی دینی تعلیم کی کتاب اسلامیات کے بجائے یقینی کوئی اور اُن کی اپنی ہونی چاہیے اور یہ حق ان کو اسلام دیتا ہے، لیکن اس کے بعد پاکستان میں رہتے ہوئے انھیں معاشرتی علوم میں پاکستانی علوم پڑھانا کیا جرم ہے؟

انھیں پاکستان میں رہتے ہوئے اردو میں مشرقی علوم پڑھانا اور مشرقی ہیروز سے متعارف کروانا کیا ان کے اذہان خراب کرنا ہے یا انھیں پاکستان کا محبِ وطن بنانا ہے؟

یقیناً محبِ وطن بنانا ہے اور کیا دُنیا کا ہر ملک اپنے معاشرتی علوم اور اپنے ملک کی زبان سکھاتے ہوئے کیا اپنے ہی ملک کی تاریخ نہیں پڑھاتا؟ یقیناً پڑھاتا ہے۔

پھر کیوں ایسی سفارشات پیش کی جا رہی ہیں کہ اسلامیات کے علاوہ نصاب میں شامل باقی تمام کتابوں میں اسلام نام کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے؟؟؟

قارئینِ گرامی! اگر مسلمانوں کو اسلامیات، اسلامی اور مشرقی کلچر پڑھانے سے اقلیتوں کے حقوق متاثر ہوتے ہیں تو پھر یقین کر لیں

آپ کو مستقبل میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے ماتھے پر سجے جھومر "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کو بھی ہٹانا پڑ جائے گا، اس لیے کہ یہ ملک جتنا مسلمانوں کا ہے، اتنا ہی غیر مسلم اقلیتوں کا بھی ہے اور قومی اسمبلی میں اقلیتوں کے وزیر بھی ہوتے ہیں تو اس کلمے کی شان سے ان کو جانب داری کی بُو آنے لگے گی۔

قارئین! پھر صرف اتنا نہیں ہو گا، پھر پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لاالہ الا اللہ بھی سمجھ میں آنے والا نعرہ نہیں رہے گا، کیوں کہ اس نعرے میں اقلیتوں کی نمائندگی نظر نہیں آ رہی اور پھر شہروں میں پھیلے مساجد کے مینارے اور ان سے گونجتی اذانیں بھی اقلیتوں (غیر مسلموں) کے بچوں کو جبری دینِ اسلام کی تعلیم دیتی نظر آئیں گی۔

پھر یہ سلسلہ تھمنے والا نہیں ہے، پھر جب تک دین کھرچ کھرچ کر پاکستان کی ہر چیز سے نکال نہیں دیا جائے گا، اقلیتوں کے حقوق ان کو محفوظ نظر نہیں آئیں گے۔

پھر آئین میں اللہ تعالیٰ کی بالادستی بھی سمجھ نہیں آئے گی، اس لیے کہ پاکستان کا یہ آئین تو پاکستان میں بسنے والے غیر مسلموں کے لیے بھی ہے اور وہ نہ جانے کون کونسے خداؤں کو مان رہے ہوتے ہیں۔

پھر پاکستان کی نظریاتی بنیاد بھی ڈھانی پڑے گی، اس لیے کہ نظریاتی بنیاد میں تو دو قومی نظریہ رکھا ہے اور دو قومی نظریے کا مطلب ہی یہ ہے کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں، ان کا دین، ثقافت، کلچر، رہن سہن، ہر چیز ایک دوسرے سے الگ ہے۔ اس طرح تو غیر مسلم اقلیتوں کو آپ کہیں بھی مطمئن نہیں کر سکیں گے۔

سادہ سا جواب ہے کہ یہ ملک مسلمانوں کے لیے بنا ہے اور اس میں غیر مسلموں کے حقوق بھی محفوظ ہیں۔

آئینِ اسلام کو سامنے رکھ کر بنا ہے، قومی اسمبلی مسلم ملک کی ہے، پاکستان کا مطلب والا نعرہ بھی مسلمانوں کا ہے۔ جب ان سب باتوں میں ملک کی اکثریتی قوم مسلمانوں کی رعایت رکھی جا رہی ہے تو پھر اسکولوں میں اور اس میں پڑھائے جانے والے نصاب میں بھی اسی بات کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔

باقی رہا کہ غیر مسلم اقلیتوں کو آپ کیسے مطمئن کر سکتے ہیں تو اس کا جواب قرآن مجید نے 1400 سال پہلے دے دیا ہے کہ: وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرۃ: 120) کہ غیر مسلم تم سے اُس وقت تک راضی ہوں گے ہی نہیں، جب تک تم اُن کے دین کی مکمل پیروی نہیں کرنے لگ جاتے۔

اس لیے نصاب میں ترمیم کی سفارشات سے شروع ہونے والے اس معاملے کو اتنا غیر اہم نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ایک نہ تھمنے والا سلسلہ ہو گا، جو ہماری نئی نسلوں کو دین سے بیگانہ کر کے چھوڑے گا۔

قارئینِ گرامی! خدارا! اپنے بچوں کے نصاب پر نظر رکھیں۔ نصاب سازی کرنے والی کمیٹی کی حرکات پر بھی نظر رکھیں، اس لیے کہ نصاب سازی میں کی گئی معمولی سی تبدیلی پوری نوجوان نسل کو اغوا کر کے اُن کو دین سے دور کر دے گی۔ آپ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر ایمانداری سے بتائیں کہ ہمارا بچہ جب اسکول، کالج یونی ورسٹی کے پورے تعلیمی نظام سے گزر کر اپنی عملی زندگی میں پہنچتا ہے تو اس کو ہمارے تعلیمی نظام نے کتنا اسلام سکھایا ہوتا ہے جواب کچھ لوگوں کو مروڑا اٹھے جا رہے ہیں کہ کسی طرح اسلامی تعلیمات کو نصاب سے کچھ کم کر دیا جائے۔ اس سوچی سمجھی سازش کو قوم کا درد رکھنے والے افراد کو ناکام بنانا چاہیے، اس لیے کہ نصاب میں معمولی سی غیر اسلامی تبدیلی بھی بچوں کے اسلامی شعور کا اجتماعی قتل ہو گا اور تاریخ اس جاننے اَن جاننے کی غفلت پر نہ والدین کو معاف کرے گی اور نہ اربابِ فکر و دانش کو۔ والسلام!

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

النساء 82-86

فہمِ قرآن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ
لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا 82

ترجمہ: کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟! اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے۔ 82

تشریح نمبر 1: یوں تو انسان کی کوئی کاوش کم زوریوں سے پاک نہیں ہوتی' لہٰذا انسان کی کتابوں میں تضاد اور اختلافات پائے جاتے ہیں' لیکن اگر کوئی شخص اپنی کسی کتاب کے بارے میں یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تو اس میں یقینا تضادات اور اختلافات ہوں گے' جن لوگوں نے پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابوں میں تحریفات کی ہیں' ان کی وجہ سے ان کتابوں میں جو تضادات پیدا ہوئے ہیں' وہ اس بات کی واضح دلیل ہیں۔ ان کی تفصیل دیکھنی ہو تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب "اظہار الحق" کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کا اردو ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي
الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا 83

ترجمہ: اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے' چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحابِ اختیار کے پاس لے جاتے ہیں تو ان میں سے جو لوگ ان کی کھوج نکالنے والے ہیں' وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے ہیں اور (مسلمانو!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ 83

تشریح نمبر 2: بعض لوگ مدینہ منورہ میں بلا تحقیق افواہیں پھیلا دیا کرتے تھے' جس سے معاشرے میں بڑا نقصان ہوتا تھا۔ یہ آیت ایسی بے تحقیق افواہوں پر یقین کر لینے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ممانعت کر رہی ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ
عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا 84

ترجمہ: لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے' ہاں مؤمنوں کو ترغیب دیتے رہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت۔ 84

مَّن يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُن لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً
يَكُن لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا 85

ترجمہ: جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے' اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے اور جو کوئی بری سفارش کرتا ہے' اسے اس برائی میں سے حصہ ملتا ہے اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ 85

تشریح نمبر 3: پچھلی آیت میں آں حضرت ﷺ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں' اس کے بعد یہ آیت لا کر اشارہ کر دیا گیا کہ آپ کی ترغیب کے نتیجے میں جو لوگ جہاد کریں گے' ان کے ثواب میں آپ بھی شریک ہوں گے' کیوں کہ جب کوئی شخص اچھی سفارش کے نتیجے میں کوئی نیک کام کرے تو جو ثواب کام کرنے والے کو ملتا ہے' اس میں سفارش کرنے والے کو بھی ملتا ہے۔ اسی طرح اگر بری سفارش کرنے کے نتیجے میں کوئی غلط کام ہو جائے تو جتنا گناہ غلط کام کرنے والے کو ملے گا' بری سفارش کرنے والا بھی اس کے گناہ میں شریک ہوگا۔

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا 86

ترجمہ: اور جب تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اسے اس سے بھی بہتر طریقے پر سلام کرو یا (کم از کم) انہی الفاظ میں اس کا جواب دو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے۔ 86

تشریح نمبر 4: سلام بھی چوں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سفارش ہے' اس لیے سفارش کا حکم بیان کرنے کے بعد فرمادیا گیا ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ پسندیدہ بات تو یہ ہے کہ جن الفاظ میں کسی شخص نے سلام کیا ہے' اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دیا جائے' مثلاً اگر اس نے صرف "السلام علیکم" کہا ہے تو جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ" کہا جائے اور اگر اس نے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا ہے تو جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ" کہا جائے' لیکن اگر بعینہٖ اسی کے الفاظ میں جواب دے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے' البتہ کسی مسلمان کے سلام کا بالکل جواب نہ دینا گناہ ہے۔

فہمِ حدیث

عیدالاضحیٰ کی قربانی

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْساً (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عیدالاضحیٰ کے دن فرزندِ آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کرو۔" (جامع ترمذی)

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ (رواہ احمد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحابؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ (ﷺ)! ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ تمہارے (روحانی اور نسلی) مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ کیا کرتے تھے، ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے) ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "پھر ہمارے لیے یارسول اللہ (ﷺ) ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی۔" انھوں نے عرض کیا: "تو کیا اون کا بھی یارسول اللہ (ﷺ) یہی حساب ہے؟" (اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ بھڑ، دنبہ، مینڈھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بیل یا بکری کی طرح کے بال نہیں ہوتے، بلکہ اون ہوتا ہے اور یقیناً ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پر لاکھوں یا کروڑوں بال ہوتے ہیں۔۔۔۔ تو کیا ان اون والے جانور کی قربانی کا ثواب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی کی شرح سے ملے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! اون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا کہ اس کے ہر بال کے عوض ایک نیکی۔" (سنن ابن ماجہ)

عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهٗ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ (رواہ ابوداؤد و ترمذی)

ترجمہ: حنش بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے (یعنی آپ ایک کے بجائے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی، کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ ﷺ پابندی کے ساتھ ہر سال قربانی فرماتے رہے اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد کے لیے آپ ﷺ حضرت علیؓ کو وصیت فرما گئے تھے کہ آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چناں چہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

Fruiti-O
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste of Nature
Fruiti-O
Guava Nectar
Fruiti-O
Mango Nectar
Fruiti-O
Pomegranate Nectar
Shake Before Serving - Keep Refrigerated
www.fruito.com.pk
fruitoPakistan
fruitoPakistan

حج اور قربانی میں ایک خاص پیغام

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

ذی الحجہ کے پہلے دس روز سارے سال کے سارے دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والے دن ہیں‘ ان کی راتوں میں عبادت بڑی فضیلت کی بات ہے اور دن میں روزے بڑی نیکی کی بات ہے۔ خصوصاً عرفہ کا دن۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے یہ روزہ رکھا‘ مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے اس کے سارے صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔“ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ترغیب دی کہ اس عشرے میں تکبیر کی کثرت کیا کرو اَللّٰہُ اَکْبَر‘ تحمید کی کثرت کیا کرو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تہلیل کی کثرت کیا کرو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ‘ تسبیح کی کثرت کیا کرو سُبْحَانَ اللّٰہِ۔ اور تیسرے کلمے میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر اس میں تکبیر بھی ہے‘ تہلیل بھی ہے‘ تسبیح بھی ہے تحمید بھی ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ترغیب دی کہ ان دنوں میں ان کلمات کی کثرت کیا کرو۔ یہ نیکیوں کا موسم ہے۔ ایک رات کی عبادت ایسی ہے‘ جیسے لیلۃ القدر کی عبادت‘ جو پوری رات عبادت نہ کرسکے‘ اسے بھی چاہیے کچھ گھڑیاں تلاوت‘ نوافل دعا و مناجات میں ضرور گزارے‘ پورے نو دنوں میں روزہ نہ رکھ سکے تو عرفہ کے دن کے روزے کا ہی اہتمام ہو جانا چاہیے‘ پتا چلے مسلمان ان نیکیوں کے سیزن کے قدردان ہیں اور آخری درجہ ان دنوں کی قدر کا یہ ہے کہ یہ نو دن یا دس دن کچھ ایسے گزر جائیں کہ اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو‘ گلی کے گناہ مسجد کے گناہ میں بڑا فرق ہے‘ محلے کے گناہ اور حرم کے گناہ میں بڑا فرق ہے۔ عام دنوں کے گناہ اور رمضان کے گناہ میں بڑا فرق ہے۔

جہاں یہ نیکیوں کا موسم بہت بڑھیا ہے‘ اس میں اللہ کی نافرمانی بھی بڑی بدنصیبی ہے۔ اس لیے کوشش رہنی چاہیے کہ ان دنوں میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔ آنکھوں پر پہرا ہو جائے‘ زبان کی حفاظت ہو جائے‘ کانوں کو گندگیوں کے سننے سے محفوظ کرلیا جائے۔ ایسا شخص بھی ان دنوں کی فضیلت سے محروم نہ رہے گا۔

اس عشرے میں دو عبادتیں بڑی عظیم الشان ہیں‘ جو صرف انہی دنوں میں ادا کی جاسکتی ہیں۔ ایک حج ہے‘ ایک قربانی ہے اور اللہ کی شان دیکھیں نویں تاریخ کو روزہ رکھنے کی بہت بڑی فضیلت ہے‘ لیکن اگر دسویں کو روزہ رکھو گے تو گناہ گار ہوگے۔ دسویں سے تیرہویں تک اللہ کی طرف سے مہمانی کے دن ہیں‘ قربانی کا گوشت کھاؤ تو ان دنوں میں دو عبادتیں بڑی عظیم الشان ہیں۔ ایک حج کی عبادت ہے اور ایک قربانی کی عبادت ہے۔ ان دونوں عبادتوں میں ایک خاص پیغام ہے‘ اہلِ ایمان کے لیے جو دونوں عبادتوں میں مشترک ہے‘ آج کا مسلمان اسلام کے حکموں کے اندر بھی مادی نفع دیکھنے کا عادی ہوگیا ہے‘ اس کا یہ ذہن‘ یہ قبول ہی نہیں کرتا کہ میرے لیے سب سے بڑا فائدہ اللہ کا حکم پورا کرنا ہے۔ اس کی عقل میں اس کا کچھ فائدہ آجائے‘ تب تو قبول کرلیتا ہے‘ ورنہ انکار کر بیٹھتا ہے تو اسلام کی ان دونوں عبادتوں میں اسلام کا ایک خاص پیغام ہے اہلِ ایمان کے لیے۔

ذرا غور کیجیے آٹھویں تاریخ کو اہلِ ایمان منیٰ جاتے ہیں‘ بیت اللہ کی ایک نماز کا اجر ایک لاکھ نمازوں کے برابر‘ وہاں کرایے کے ہوٹل لیے ہوئے ہیں‘ رہائش موجود ہے‘ ایک لاکھ نمازوں کا ثواب اور زندگی کی ساری سہولیات بھی اس کے ارد گرد موجود ہیں۔ آٹھویں تاریخ کو منیٰ میں کوئی کام نہیں سوائے پانچ نمازوں کے‘ لیکن حجاج سے کہا آج مکہ شہر میں نہیں ٹھہرنا‘ بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھنی‘ مسجد حرام میں نماز نہیں پڑھنی‘ آج جا کر اس میدان میں نماز پڑھنی ہے‘ اربوں کا خرچ اتنی بڑی مخلوقِ خدا کا یہاں سے وہاں منتقل ہونا‘ اتنے انتظامات اور کام کیا ہے؟ نماز پڑھنی ہے۔ وہ نماز اگر حرم میں پڑھتا تو ایک لاکھ کا ثواب ملتا اور اب تک مل رہا تھا۔ عقل کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ اس میں کیا نفع۔ پھر عرفات گئے‘ وہاں میدان میں ٹھہر گئے‘ پھر اتنا بڑا مجمع آپ بتایئے کہ منیٰ سے اٹھ کر عرفات جائے‘ اخراجات کا کیا حال ہے؟ مشقت پوری حکومتی مشینری اس میں مصروف ہوتی ہے‘ پھر وہاں سے صرف ایک رات کے لیے درمیان کی ایک وادی میں

ٹھہرنا ہے اور وہاں کچھ نہیں کرنا اگر کوئی آدمی صرف دو نمازیں پڑھے اور ساری رات سوتا رہے، اس کی حج کی عبادت میں کوئی حرج نہیں آئے گا، سارا مجمع وہاں آرہا ہے، اب دسویں تاریخ آرہی ہے، دسویں تاریخ کو عقل تو کہے گی کہ یہ تو دیوانگی ہے کہ ایک پتھر کھڑا ہے اور لاکھوں آدمی اس پر کنکریاں برسا رہے ہیں اور سارے مجمع کا آج کام اس پتھر پر کنکریاں برسانا ہے، عقل کے لحاظ سے یہ کیا دیوانگی ہے۔ اَن پڑھ بھی پڑھا لکھا بھی۔ انجینئر بھی ہے، پروفیسر بھی ہے، وزیر بھی ہے، مشیر بھی ہے، غریب بھی ہے، تاجر بھی ہے، ایک ہی کام ہے، میاں پتھر مارنے ہیں۔ دینِ اسلام کی حقیقت سمجھنی چاہیے کہ مسلمانیت کس کا نام ہے؟ مسلمانیت اس کا نام نہیں کہ میں یہ کام اس لیے کروں گا کہ مجھے اس کا کچھ نفع سمجھ میں آجائے، حکمت سمجھ میں آجائے، مصلحت سمجھ میں آجائے، یہ مسلمانیت نہیں ہے۔ میری عقل میں آجائے، یہ مسلمانیت نہیں ہے۔ مسلمانی یہ ہے، دین داری یہ ہے اور دین کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا حکم پورا ہو۔ مکہ میں بھی کچھ نہیں رکھا۔ بیت اللہ کی بنی ہوئی دیواروں میں بھی کچھ نہیں رکھا، منیٰ میں بھی کچھ نہیں رکھا، عرفات میں بھی کچھ نہیں رکھا، نہ کسی جگہ میں کچھ رکھا ہے، نہ کسی وقت میں کچھ رکھا ہے، جس میں جو فضیلت آئی، صرف اس لیے آئی کہ وہاں صرف اللہ کا حکم آگیا۔ اللہ کا حکم پورا ہو رہا ہے تو مکہ میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب اور آج اللہ کا حکم منیٰ میں آگیا تو مکہ میں ثواب کوئی نہیں ملنا، پورا سال عرفات میں بیٹھا رہے، کچھ نہیں ملنا، لیکن نویں تاریخ کو عرفات میں بیٹھنے والا کیا پاتا ہے، فرمایا: کوئی شخص یہ کہے میری بخشش نہیں ہوئی، صرف اس کی نہیں، باقی سب کی ہو گئی، کیا انعام ہے اور پھر اس پتھر پر پتھر برسانا، کنکریاں برسانا، کیسی دیوانگی ہے، لیکن بہت بڑی عبادت ہے، اس لیے کہ اس میں اللہ کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے۔ شریعت کا حکم پورا ہو رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے، مسلمان کی کامیابی وفلاح کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ کا حکم پورا ہو رہا ہے اور اس سے آگے دیکھیے ناں یہ دسویں کی تاریخ ہے، ایک تو یہ دیوانگی کا مظاہرہ کہ لاکھوں آدمیوں کے لیے سارا انتظام صرف اس لیے ہو رہا ہے کہ ان کو پتھر مارنے ہیں۔ ریل بھی چل رہی ہیں، بسیں بھی چل رہی ہیں، لاکھوں آدمیوں کا ہجوم بھی ہے۔ پتھروں پر پتھر مار رہے ہیں۔ عقل کے لحاظ سے اس میں کیا نفع ہے، عقل کے اطمینان کے لیے اس میں کیا سامان ہے؟ بظاہر دیوانگی ہے، لیکن اگر دین کی حقیقت سمجھ میں آجائے، سبحان اللہ!

مسلمان کے لیے یہی تو کامیابی ہے کہ فائدہ نظر نہیں آرہا، حکمت سمجھ میں نہیں آرہی، عقل میں نہیں آرہی، لیکن چوں کہ میرے اللہ کا حکم ہے، میں نے اس کے سامنے سر جھکا لینا ہے اور پھر اس سے بڑی شان دیوانگی کی، سبحان اللہ! دسویں تاریخ کو قربانی ہی قربانی اور قربانی جانور کی نہیں ہے۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانور کی قربانی کا ارادہ نہیں کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! یہ قربانی کیا ہے؟ تو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ" تمہارے ابا ابراہیم کی سنت ہے اور ابراہیم علیہ السلام جب منیٰ کی طرف نکلے تھے تو بکرا، دنبہ یا گائے لے کر نہیں نکلے تھے، وہ تو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے نکلے تھے اور انوں نے تو اپنے بیٹے کو چھری تلے رکھا تھا، ان کی چھری تو بیٹے کی گردن پر چل رہی تھی۔ بہ ظاہر یہ دیوانگی تھی، بیٹے کو ذبح کرنا عقل میں نہیں آرہا اور جب آدمی دین کی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے تو اسے اللہ کے بہت سارے واضح احکامات بھی سمجھ میں نہیں آتے اور جنہیں دین کی حقیقت سمجھ میں آجائے، انہیں قربانی بھی سمجھ میں آجاتی ہے۔ وہاں تو بیٹے کو ذبح کیا جارہا ہے اور آج بکرا ذبح کرنا بھی سمجھ میں نہیں آرہا ہے اور آج گائے اور دنبہ ذبح کرنا بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔ یہ وہ نادان لوگ ہیں جنہیں دین کی حقیقت اور روح کا پتا نہیں کہ اللہ کے یہاں مطلوب کیا ہے؟ اللہ کی چاہت کیا ہے؟ اللہ تم سے چاہتا کیا ہے؟ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ میرا بندہ میرے حکم کے سامنے سر کتنا جھکاتا ہے۔ یہ میرا بندہ ہے یا مفادات کا، کہیں عقل یا نفس کا بندہ تو نہیں، مصلحتوں کا پابند ہے یا میرے حکموں کا۔۔۔

ابراہیم علیہ السلام تو بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے نکلے تھے اور پھر دسویں تاریخ کو رمی کے بعد پتھر مارنے کے بعد جو عمل آتا ہے، وہ قربانی کا ہوتا ہے۔ قربانی ہو رہی ہے اور اس روح کو زندہ کیا جارہا ہے، اس حکم کو زندہ کیا جارہا ہے، اس جذبے کی قربانی دی جارہی ہے۔ باپ کا بیٹے سے کیا رشتہ ہوتا ہے؟ اپنی گردن پر چھری چلانا آسان، بیٹے کی گردن پر چھری چلانا اس سے زیادہ مشکل، لیکن یہ محبت کا جذبہ اللہ کی خاطر قربان ہو رہا ہے تو یہ قربانی کی اس گھڑی میں مسلمان اس بات کا اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! میرے سارے جذبے تیری خاطر آج قربان ہیں، بڑے سے بڑا جذبہ تیری خاطر سب قربان ہے۔ مال کا جذبہ ہے، دولت کا جذبہ ہے، محبتوں کے جذبے ہیں، جتنے جذبے ہیں، سب تیری خاطر قربان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو دعا بتائی:

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

قربانی سامنے ہے، قربانی ہونے لگی ہے کہ اے اللہ! میں تیری ذات کی طرف سب سے کٹ کر جو تو زمین وآسمان کا اکیلا بادشاہ اور پیدا کرنے والا ہے، تیری طرف متوجہ ہوں، میں تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا، میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا، اے اللہ! سب تیری خاطر ہے۔ یہ سب کچھ تیرے لیے ہے، مصلحت کیا ہے؟ فائدہ کیا ہے؟ مادی لحاظ سے اس کا نفع کتنا ہے؟ عقل میں آرہا ہے یا نہیں آرہا میرے لیے تو سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکا رہا ہوں۔ میرے لیے تو سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ تیرے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے تو یہ دونوں عبادتیں حج کی عبادت ہیں، قربانی کی عبادت ہیں، اپنے اندر یہ پیغام لیے ہوئے ہیں اور اس پیغام کی آج کے دور میں بڑی تازگی کی ضرورت ہے کہ دینِ اسلام اس کی حقیقت اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، جہاں حکم آگیا، وہ عبادت بن گئی، وہ بندگی ہو گئی، وہ اسلام ہو گیا، وہ شریعت ہو گئی اور جہاں حکم نہیں، چاہے وہ کتنا خوب صورت منظر ہی کیوں نہ ہو، مثلاً:

مغرب کی نماز میں تین رکعتیں فرض ہیں، کسی کا جی چاہے کہ آج تین کے بجائے ہم چار پڑھیں گے اور چوتھی رکعت، کوئی غلط کام بھی نہیں، فاتحہ پڑھی، رکوع کا اضافہ ہو گیا، دو سجدے بڑھ گئے، حمد وثنا بھی بڑھ گئی، درود شریف بھی بڑھ گیا، سب کچھ ہو گیا، لیکن اگر امام بھول بھی گیا تو پیچھے والے سب کھڑے ہو جاتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی، کیا غلط کام کیا ہے؟ بھائی تین سے چار ہو گئیں اور اس میں کوئی غلط چیز نہیں کی، کہا کہ بھئی نماز نہیں ہوئی۔۔۔ ارے میاں! اس لیے نماز نہیں ہوئی، اس میں اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہیں رہا، اس میں اللہ کا حکم نہیں رہا، یہ عبادت، عبادت نہ رہی۔ کسی چیز میں کچھ نہیں رکھا جو کچھ رکھا ہے، وہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں ہے اور مسلمان کے لیے اسلام کا تقاضا بندگی کا تقاضا ہے کہ اس کی زندگی ہر وقت اتباع میں گزرے، اللہ کے حکم کی تعمیل میں گزرے، نفع ملے تب بھی مبارک، اس کا فائدہ ہو تب بھی مبارک، عقل میں آئے تب بھی مبارک اور اگر عقل کے سانچے میں وہ نہ بھی آئے، اللہ کا حکم پورا ہو رہا ہے۔۔۔ مسلمان کی یہ فلاح ہے تو یہ دو عظیم الشان عبادتیں بھی اسی موسم میں ادا ہوتی ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی برکتیں ہم سب کو نصیب فرمادے اور دین کی حقیقت اور اس کو سمجھنے کی بھی ہم سب کو علم اور حقیقت نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ندا اختر

عرب کی تاریخ میں یہ شادی بڑی ہی عجیب تھی، جس میں عاقل و بالغ ہونے کے باوجود لڑکی کی مرضی کا کوئی دخل نہ تھا اور لڑکی بھی کون؟ جدِّ رسول ﷺ کی نواسی، عبداللہ بن عبدالمطلب کی بھانجی، امیہ بنت عبدالمطلب کی دُختر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن مرّہ۔۔۔

عجیب بات تھی جو سنتا حیرت کرتا، خاندانی نجابت پر ناز و فخر کرنے والے عرب کے لیے یہ ایک بڑی عجیب مثال تھی کہ عرب قبائل میں سب سے معزّز قبیلہ قریش کے سب سے اعلیٰ و ارفع گھرانے کی صاحبزادی ایک چار درہم کے عوض خریدے ہوئے غلام سے بیاہی جائے، ہر چند کے اس غلام زید بن حارثہؓ کو سرورِ کائنات ﷺ نے متبنّیٰ بنالیا تھا اور اب وہ قریش کے تمام قبائل میں "زید بن محمد" کے نام سے پکارے جانے لگے تھے اور حیثیت کا یہی فرق شادی کی خوشی میں رکاوٹ بن رہا تھا۔ مرّہ اپنی اور ان کی خاندانی حیثیت کے مدِّ نظر اس نکاح کے لیے تیار نہ تھیں، لیکن اسلام نے آقا و غلام، گورے و کالے، عجمی و عربی کے فرق کو مٹا کر ذاتی حیثیت قومیت کے تفاوت اور حسب و نسب کے امتیاز کو ختم کر دیا تھا۔ رسول اللہ (ﷺ) جو امیری اور غریبی، فاتح و مفتوح کے تمام فاصلوں کو مٹا کر سب مسلمانوں کو دینِ واحد کے رشتہ میں پرو کر ایک سطح پر لے آئے تھے اور اب عملی طور پر اس بات کا ثبوت دینا چاہتے تھے کہ اسلام نے مسلمانوں کے درمیان سے ہر فرق اور دوری کو پامال کر کے انہیں سِ ملّتِ واحد بنادیا ہے اور اگر اب ان میں کوئی رشتہ کوئی تعلق ہے تو وہ مذہب اور صرف مذہب ہے۔ اس تمام وقت میں انو تس نے جس طرح قرآن کے تمام احکامات پر عمل کر کے اسے لائقِ عمل ثابت کیا تھا، اب غلام اور آقا کا فرق مٹانے کے لیے بھی عملی نمونہ پیش کرنا تھا۔

لہٰذا خانوادہ قریش کی لائق فخر لڑکی زید بن حارثہ سے بیاہی جارہی تھی، اس شادی کا فیصلہ کیا گیا تو مرّہ نے اپنے دل میں تنگی محسوس کی اپنی نارضامندی کا اظہار بھی کیا، لیکن جب اسی دوران اس شادی کی تائید میں آیاتِ ربّانی نازل ہوئیں!

"کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریحاً گمراہ ہوگیا۔" (الاحزاب: 36)

انہیں یہ سن کر وہ خاموش ہوگئیں اور رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی ان پھوپھی زاد بہن اور اپنے منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کردیا۔

مرّہ تاریخ میں "زینب بنت جحش" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے والد کا نام جحش بن رباب تھا۔ وہ رسول اللہ (ﷺ) کے نکاح میں آنے کے بعد ہی زینب کہلائیں اور ان کی کنیت "اُمُّ الحکم" تھی۔

اسلام آجانے کے بعد بھی مسلمانوں میں بہت سی مذموم رسوم رائج تھیں، بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ رائج تو صدیوں سے تھیں اور اسلام کے بعد بھی ختم نہ ہو سکی تھیں۔ ان ہی رسوم میں ایک رسم "تبنیت" تھی یعنی کہ اس معاشرے میں متبنّیٰ مثل بیٹے کے ہی تصور کیا جاتا تھا اور جائیداد میں وارث بھی مانا جاتا اور اس کی بیوہ یا مطلّقہ سے نکاح جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ رسم مسلسل وراثت کے قانون کو کھوکھلا کر رہی تھی، جس سے منہ بولے بیٹے اور اصل بیٹے ایک صف میں آجاتے تھے، مگر اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آیندہ چل کر یہی بات بڑی تشویش پیدا کر سکتی تھی، کیوں کہ انو لس نے برسوں قبل زید بن حارثؓ کو اعلانیہ بیٹا بنایا تھا اور وہ اس پورے معاشرے میں "ابنِ محمد" کے نام سے مشہور تھے، لیکن اب بعثت کے بعد نبی کا وارث ہونا کوئی معمولی بات نہیں تھی، مگر ابھی تک چوں کہ تبنیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، لہٰذا وہ نبی کے منہ بولے بیٹے ہی سمجھے جاتے اور لوگ انہیں ابنِ محمد کہہ کر مخاطب کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ خود اس کی بیخ کنی کے سامان پیدا کر رہا تھا۔

بہر کیف! مرّہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے، لیکن ابتدا سے ہی مرّہ بنتِ جحش کی نظر میں زید بن حارثؓ کی کوئی وقعت نہ تھی، وہ کھلے قلب کے ساتھ انہیں وہ مرتبہ نہ دیتی تھیں جو ایک شوہر ہونے کے ناطے ان کا حق تھا، نتیجہ یہ کہ شروع سے ہی شکر رنجی کی کیفیت تھی اور ان دونوں کی زندگی خوش گوار نہیں تھی۔

مرّہ تقریباً ایک سال زید بن حارثہ کے نکاح میں رہیں، لیکن ان دونوں میں ہمیشہ ناچاقی رہی، یہاں تک کہ زید بن حارثہ خدمتِ اقدس میں آکر گلہ کرتے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وسمجھا دیتے‘ پھر انویں نے آکر عرض کیا:

”یارسول اللہ (ﷺ) ! مرّہ مجھ سے سخت کلامی کرتی ہیں‘ میں ان سے جدا ہونا چاہتا ہوں۔“ اس موقع پر بھی حضور ﷺ نے انہیں رسمجھایا‘ مگر صورتِ حال بگڑتی رہی۔ یہ جملہ بھی زید بن حارثہؓ نے دو مرتبہ خدمت میں حاضر ہو کر کہا اور اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ انہیں تسلی دیتے اور سمجھاتے رہے۔ اس بات کی گواہی بھی خود قرآن پاک نے اس طرح دی۔

”اے نبیؐ! اس موقع کو یاد کیجیے جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے‘ جس پر اللہ نے اور آپ نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر۔“ (الاحزاب: 32)

لیکن دونوں میں اختلافات بڑھتے رہے۔ موّرخین کے مطابق زید بن حارثہ نے تین بار خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر یہی بات کی‘ تب اللہ کے نبی ﷺ نے انہیں ح ایسا کرنے کی اجازت دے دی اور زید بن حارثہ اور مرّہ کے درمیان جدائی ہو گئی۔

جو کہ اللہ کے نازل کردہ تمام احکامات کو اللہ کے آخری نبی نے عملی طور پر ثابت کیا تھا‘ لہٰذا اب اس حکم کو بھی ثابت کرنا تھا کہ اسلام میں متبنّیٰ کی حیثیت سگے بیٹے کی سی نہیں ہے‘ نہ وہ جائیداد میں وارث ہے اور نہ اس کی مطلّقہ یا بیوہ مثل سگی بہو کے ہے۔ اس صورتِ حال اور آیندہ کے لیے بھی باقاعدہ اللہ نے حکم صادر فرمایا اور ارشاد ہوا ”پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس کا نکاح آپؐ سے کر دیا‘ تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے‘ جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا‘ نبی ﷺ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو۔“ (الاحزاب: 38)

ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے اس نکاح کے لیے خود واضح حکم صادر فرمایا جس کے ذریعے قدیم جہالت کے زمانہ سے رائج تبنیت کی بدترین رسم کا خاتمہ کیا اور اس امر کے لیے خود اللہ اپنے نبی کو پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا کیوں کہ جب اس طلاق اور تبنیت کے خاتمے کے واقعات پیش آئے اور اس حکم پر عمل کرنے کے لیے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلّقہ سے عقد کرنے کا حکم ملا تو قدیم جاہلانہ رسم ورواج اور موجودہ منافقین کے اعتراضات کے خیال سے اللہ کے نبی ﷺ نے قدرے تامّل کیا تو ارشادِ ربانی ہوا:

”اور اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے‘ جس کو اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے‘ حالاں کہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔“ (الاحزاب: 38)

اس طرح سے اللہ کے نبی اور مرّہ بنت حجش کا نکاح ہو گیا اور جنابہ کو حضور ﷺ نے زینبؓ کا خطاب دیا یعنی کہ اللہ کے نبی ﷺ سے وابستہ ہونے کے بعد وہ ”زینب بنت حجش“ کہلائیں اور اسی نام سے مشہور ہوئیں۔

حضرت زینب عمر بھر فخر فرماتی تھیں‘ انوں نے بارہا کہا: ”میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود آسمان پر کیا۔“ نیز تمام اُمہات المومنینؓ میں رشتہ داری کا شرف بھی کسی اور کو حاصل نہ تھا بجز آپؓ کے۔

حضرت زینب بنت حجش بہت صاف گو اور حق پسند خاتون واقع ہوئی تھیں‘ لہٰذا جب فتنہ افک پھیلایا گیا اور حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں سب کے ساتھ ان سے بھی رائے طلب کی تو حضرت زینبؓ نے فرمایا:

”میں اپنے کانوں کو ایسی باتیں سننے اور اپنی آنکھوں کو ایسے حالات دیکھنے سے بچاتی ہوں۔ بخدا میں عائشہ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی۔“ حسن ونزاکت میں حضرت زینبؓ ہی حضرت عائشہؓ کے برابر تھیں‘ حضرت عائشہؓ ہمیشہ ان کی اس بات کی تعریف کیا کرتی تھیں کہ زینب کو ان کے تقویٰ نے بچالیا۔ (بخاری کتاب المغازی)

آپؓ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کو اللہ کی ذات پر اس درجہ توکّل تھا کہ آپؓ نے تمام عمر کسی سے کچھ طلب نہیں کیا بلکہ اپنے چمڑے کا کام کرتیں اور یتیم اور بیواؤں پر خرچ کر دیتیں‘ ایک ایک وقت میں کئی کئی لاوارث عورتیں ان کی مدد سے اپنے بچوں کی پرورش کرتیں۔ جب حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ آیا تو انوں نے ازواج مطہرات کا خیال کرتے ہوئے ایک بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک ہزار درہم پیش کیے تو اُم المومنین حضرت زینب بنت حجشؓ نے کہا:

”ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ ”میں جانتا ہوں کہ آپؓ کو اس کی ضرورت نہیں ہے‘ مگر آپؓ انہیں قبول فرمالیجیے۔“ حضرت عمر فاروقؓ نے اصرار کیا تو اُم المؤمنین حضرت زینب بنت حجشؓ نے زیادہ انکار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور یہ درہم قبول کر لیے‘ مگر جونہی حضرت عمر فاروقؓ وہاں سے رُخصت ہوئے تو انوں نے اپنی باندی کو بلایا اور درہم دیتے ہوئے کہا:

”یہ سب لے جا کر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے‘ ہمیں قطعاً ان کی حاجت نہیں ہے۔ امیر المومنین نے شاید ہمیں فضول خرچ سمجھتے ہوئے یہ درہم عطا کیے ہیں۔“ باندی یہ درہم لے کر چلی گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی!

”باری تعالیٰ! مجھے عطیات سے محفوظ رکھنا۔“ ام المومنین حضرت زینب بنت حجشؓ چوں کہ بذاتِ خود چمڑے کا کام کیا کرتی تھیں اور اس کی آمدنی اللہ کی راہ میں صَرف کر دیتی تھیں‘ ان کی یہی سخاوت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے جو لمبے ہاتھ والی ہو گی‘ وہی سب سے پہلے مجھ سے ملے گی۔“ یہ ارشاد سننے کے بعد تمام امہات المومنین ایک دوسرے کے ساتھ اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں‘ مگر حضور ﷺ کا ارشاد سخاوت کی طرف تھا جو پورا ہوا اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد اُمہات المومنین میں سب سے پہلے وفات پانے والی آپ ہی تھیں۔ انوہں نے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ حضرت عمرؓ نے خود پڑھایا اور آپ جنت البقیع میں دفن ہیں۔

میانہ روی

آسیہ عمران

قبیلہ قیس کا ایک وفد مدینے آیا۔ وفد کے لوگ سفر کی تھکان کی پروا کیے بغیر مٹی سے اٹی ہوئی حالت میں ہی مسجد پہنچے۔ انہیں دآپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا اشتیاق بے چین کیے ہوئے تھا۔ ان کے سردار نے وفد کا ساتھ دینے کے بجائے تیار ہو کر ملنا پسند کیا' اس نے غسل کے بعد نئے کپڑے زیب تن کیے' خوشبو لگائی اور آپ سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ کو اس کا یہ انداز پسند آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اشج! تم میں دو عادتیں بہت محبوب ہیں۔ ایک بُردباری اور دوسری متانت یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا اور بے شک جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔" میانہ روی دینِ اسلام کے مزاج میں شامل ہے۔ افراط و تفریط دونوں ناپسند ہیں' اس لیے امتِ مسلمہ کے لیے ربِّ کریم نے امّتِ وسط کا لفظ استعمال فرمایا:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے: "خَيْرُ الْأُمُوْرِ اَوْسَطُهَا" بہترین کام میانہ روی والے ہیں۔ گزشتہ اقوام کے حالات کا سرسری جائزہ بھی بتا دیتا ہے کہ جو قومیں بھی افراط و تفریط کا شکار ہوئیں۔ ختم ہو کر رہ گئیں۔ اس لیے کہ میانہ روی فطرت میں سے ہے۔ اسلام چوں کہ دینِ فطرت ہے' اس لیے میانہ روی کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام میں میانہ روی تمام شعبوں پر محیط ہے۔

اگر اسلام کے عقائد کو پڑھیں' اس میں بھی میانہ روی کی روح شامل ہے۔ عبادات میں بھی میانہ روی ہے۔ ایک دفعہ کچھ صحابہ کرامؓ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے معمولات کے بارے میں سوال کیا تو انومں نے آپ ﷺ کے معمولات کو اپنے لحاظ سے کم جانا کہ وہ تو نبی ﷺ ہیں گناہوں سے پاک۔ لہٰذا ہمیں زیادہ اعمال کرنے ہوں گے۔ ایک نے ارادہ کیا کہ وہ ساری رات نماز پڑھنے میں گزارے گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ تیسرے کا کہنا تھا میں کبھی نکاح نہ کروں گا۔ آپ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: خبردار! اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں۔ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھے ہیں۔ اس طرح ایک دفعہ ایک صحابیؓ رسول ﷺ کے والد نے اپنے بیٹے کے بارے میں آپ کو خبر کی' جو پورے دن روزہ رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے اور اپنی بیوی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا: تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے' تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے' تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے لیے کافی ہے کہ تم مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ یعنی ایامِ بیض پر چاند کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کے۔ اس طرح نفلی عبادات اور تہجد میں بھی غلو کے بجائے مستقل مزاجی کو پسند کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت کو وہ عمل محبوب ہے جو مقدار میں چاہے کم ہو' لیکن مستقل ہو۔ دین کی تبلیغ کے لیے گھر والوں کا بندوست کیے بغیر نکل پڑنا بھی ناپسندیدہ عمل ہے۔ شریعت میں ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے۔ صاحبِ مال پر کم زوروں کی مدد فرض ہے۔ اللہ رب العزت نے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن رکھا ہے۔

اس طرح شریعت' معاشرت میں بھی میانہ روی کی روادار ہے۔ لین دین' اٹھنے بیٹھنے' سونے' خرچ کرنے آنے جانے اور ضروریات ہر معاملے میں میانہ روی پسندیدہ ہے۔ ان تمام معاملات میں آپؐ کی تعلیمات موجود ہیں۔ آواز میں میانہ روی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔

"بدترین آواز گدھے کی آواز ہے۔" (حجرات)

اسی طرح سورہ لقمان میں میانہ روی کا حکم ہے۔

وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ

چال میں میانہ روی اختیار کرو' آواز کو پست رکھو۔

میانہ روی کے بارے میں آپ نے فرمایا۔

مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ میانہ روی والا کبھی محتاج نہیں ہوتا۔

اس طرح خرچ میں بھی میانہ روی کو پسند کیا گیا ہے۔ مومنین کی صفات میں میانہ روی کا تذکرہ ہے کہ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو بے جا اسراف سے پرہیز کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ صدقہ و خیرات میں میانہ روی کا حکم ہے کہ نہ تم بخل کرو اور نہ یہ کہ سب کچھ دے دو اور خود محتاج ہو کر بیٹھ جاؤ۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔ "اور اپنے ہاتھ کو نہ بہت تنگ کر لو اور نہ بالکل کھول رکھو کہ ملامت کردہ درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔" اس طرح بعض صحابہ کرامؓ اپنا سارا مال راہِ خدا میں خرچ کے لیے لائے تو آپ ﷺ نے آدھے سے کم کو قبول فرمایا۔

میانہ روی کے بے شمار فوائد ہیں۔ میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی شرمندہ نہیں ہوتا۔ میانہ روی کی صفت کو اللہ رب العزت مومن بندے کے مزاج کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہ دنیا اللہ رب العزت نے انسانوں کے لیے بنائی ہے' بلکہ پوری کائنات کو حضرتِ انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔ دنیا کے انہی معاملات میں اسے اجر کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ اپنی بیوی سے پیار و محبت کی باتیں کرنے کو نفلی عبادات پر افضلیت دی گئی ہے۔ حلال رزق کمانا اور اولاد پر خرچ کرنا' ایک طرف انسان کو تشفی دیتا ہے تو دوسری طرف اسے اجر کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ اس طرح ایمان دار تاجر اور عادل حکم ران کے لیے بڑے درجات کا وعدہ ہے۔ اولاد کی پرورش کرنے خاص طور پر بیٹیوں کی پرورش پر جنت کا وعدہ ہے۔ اسلام میں کسی قسم کی رہبانیت کی گنجائش نہیں۔ دنیا میں ہر اٹھایا جانے والا قدم جب وہ ربِّ کریم کی طے کردہ حدود کے اندر ہو' عبادت ہے۔ اسی لیے شوہر کو راضی رکھنے اور پنج وقتہ نماز پڑھنے والی عورت کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔

Perfect®
Freshener
HAR KHUSHI MEIN
APKE SAATH!
Perfect Freshener
Room Freshener
GENTLEMAN
Perfect
اصلي
ASLEE
LA PERFUME
Dry
HEAVEN
Available on Daraz: www.daraz.pk/shop/perfect-freshner/
perfectairfreshener
PFfreshener
www.se.com.pk
info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے احکام

سوال: اسلامی سال کے آخری مہینے ذی الحجہ کے بارے میں شریعت ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے؟ اس کے فضائل اور اہم احکام سے تفصیلی طور پر آگاہ فرمائیں!

جواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذی الحجہ کی پہلی دس راتوں کی قسم کھائی ہے جو کہ اسلام میں ان راتوں کی اہمیت کی دلیل ہے، نیز حج کا اہم رکن: وقوف عرفہ اسی عشرہ میں ادا کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کو حاصل کرنے کا دن ہے۔ غرض رمضان المبارک کے بعد ان ایام میں اُخروی کام یابی حاصل کرنے کا بہترین موقع ہوتا ہے، لہٰذا ان میں زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت، کثرت سے اس کی پاکی بیان کرنا، نفلی روزے رکھنا اور قربانی کا اور ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔

احادیثِ مبارکہ میں ان ایام میں عبادت کرنے کے خصوصی فضائل وارد ہوئے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔ (بخاری)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ عظمت والے دوسرے کوئی دن نہیں ہیں، لہٰذا تم ان دنوں میں تسبیح (سبحان اللہ) تہلیل (لاالٰہ الااللہ) اور تکبیر و تحمید کثرت سے کیا کرو (طبرانی) ان ایام میں ہر شخص کو تکبیراتِ تشریق پڑھنے کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تکبیراتِ تشریق کے کلمات یہ ہیں: اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

عرفہ کے دن کا روزہ

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عرفہ کے دن کے روزے کے متعلق میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ وہ اس کی وجہ سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے (صحیح مسلم)

لہٰذا ذی الحجہ کی نو تاریخ کو (عیدالاضحیٰ سے ایک دن پہلے) روزہ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں یہ بات واضح رہے کہ اختلافِ مطالع کے سبب مختلف ملکوں میں عرفہ کا دن الگ الگ دنوں میں ہو تو اس میں کوئی اشکال نہیں، کیوں کہ یومِ عیدالفطر، یومِ عیدالاضحیٰ، شبِ قدر اور یومِ عاشورہ کی طرح ہر جگہ کے اعتبار سے جو دن عرفہ کا قرار پائے گا، اُس جگہ اُسی دن میں عرفہ کے روزہ رکھنے کی فضیلت حاصل ہوگی۔

قربانی کی حقیقت

قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت کے لیے رہا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ" اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کی، تاکہ وہ چوپایوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے، لیکن حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اہم و عظیم قربانی کی وجہ سے قربانی کو سنّتِ ابراہیمی کہا جاتا ہے اور اسی وقت سے اس کو خصوصی اہمیت حاصل ہوگئی، چناں چہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی عظیم قربانی کی یاد میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضور اکرم ﷺ کی اتّباع میں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔ اس قربانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری میں اپنی جان ومال ووقت غرض ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ نے حَجۃ الوَداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانی پیش فرمائی تھی، جس میں سے 36 اونٹ کی قربانی آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کی تھی اور بقیہ 73 اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح فرمائے (صحیح مسلم)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قربانی کے دنوں میں کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے حَجۃ الوَداع کے موقع پر 36 اونٹوں کی قربانی کرکے اس کا عملی اظہار فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس عمل سے ان لوگوں کی سوچ کی تردید ہوگئی جو مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر کہہ دیتے ہیں کہ جانوروں کی قربانی کے بجائے غریبوں اور نادار طبقے میں پیسے تقسیم کردیے جائیں۔ واضح رہے کہ جتنا لحاظ خود اسلام نے غریبوں کا کیا ہے، اس کی مثال دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی، بلکہ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے غریبوں اور معاشرے کے کم زور افراد کے درد کا احساس سب سے پہلے دلایا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس طرح کے مخالفِ شریعت خوش نما نعروں اور پُرفریب باتوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

قربانی کے سلسلے میں ایک کوتاہی یہ بھی پائی جاتی ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قربانی کا ایک جانور پورے خاندان کے لیے کافی ہے، جبکہ چھوٹا جانور ایک فرد کی طرف سے اور بڑا جانور زیادہ سے زیادہ سات افراد کی طرف سے قربان کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اگر اس سے زیادہ افراد کسی جانور میں شامل کیے گئے تو اس کی وجہ سے کسی ایک کی بھی قربانی ادا نہیں ہوگی۔

قربانی میں اللہ کی رضا کی نیت ضروری ہے‘ دیگر اعمالِ صالحہ کی طرح قربانی میں بھی مطلوب و مقصود صرف رضائے الٰہی ہونی چاہیے‘ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ ترجمہ: آپ ﷺ فرما دیجیے کہ میری نماز‘ میری قربانی‘ میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ کی رضامندی کے لیے ہے‘ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے‘ نیز دوسری جگہ فرمانِ خداوندی ہے: ”لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ“ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو نہ اُن (قربانی کے جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے‘ نہ ان کا خون‘ لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے‘ لہٰذا قربانی کرنے سے پہلے بار بار اپنی نیتوں کا جائزہ لینا چاہیے کہ میں یہ قربانی کس مقصد کے لیے کر رہا ہوں۔

قربانی کی اہمیت وفضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا (اس قیام کے دوران) آپ ﷺ قربانی کرتے رہے (ترمذی) غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں کی‘ باوجود یہ کہ آپ ﷺ کے گھر میں بوجہ خوراک کی کمی کے کئی کئی مہینے چولہا نہیں جلتا تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے سوال کیا‘ یارسول اللہ (ﷺ)! یہ قربانی کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہمیں قربانی سے کیا فائدہ ہوگا؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: دنبہ اور بھیڑ کے اُون کے بدلے میں کیا ملے گا؟ (کیوں کہ اس کے بال تو بہت ہی زیادہ ہوتے ہیں) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُون کے ہر بال کے بدلے میں بھی نیکی ملے گی۔ (ابنِ ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ذی الحجہ کی دس تاریخ کو کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے بڑھ کر محبوب اور پسندیدہ نہیں اور قیامت کے دن قربانی کرنے والا (اور تو اور) اپنے جانور کے بالوں‘ سینگوں اور کھروں کو بھی لے کر آئے گا (اور یہ چیزیں اجر وثواب کا سبب بنے گی) اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرفِ قبولیت حاصل کر لیتا ہے‘ لہٰذا تم خوش دلی کے ساتھ قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی کام میں مال خرچ کیا جائے تو وہ عیدالاضحیٰ کے دن قربانی میں خرچ کیے جانے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (البیہقی)

قربانی کا حکم

قربانی واجب ہے یا سنّتِ مؤکدہ؟ یہ اختلاف شروع سے چلا آرہا ہے‘ مگر پوری امّتِ مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی ایک اسلامی شعار ہے اور جو شخص قربانی کر سکتا ہے اس کو قربانی کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے‘ خواہ اس کو واجب کہیں یا سنّتِ مؤکدہ یا اسلامی شعار۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں قربانی کو واجب قرار دیا ہے۔

قربانی کس پر واجب ہے؟

قربانی ہر صاحبِ حیثیت کو کرنی چاہیے‘ جیسا کہ حدیث میں گزرا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو قربانی کی وسعت حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ حضورِ اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قربانی کے وجوب کے لیے صاحبِ وسعت ہونا ضروری ہے اور ایسے شخص کو اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔

قربانی کے ایام

قربانی کے تین ایام ہیں: 10‘ 11 اور 12 ذی الحجہ۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کرے تو تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ نہیں بچنا چاہیے (بخاری)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے دن تین ہی ہیں‘ اس لیے کہ جب چوتھے دن قربانی کا بچا ہوا گوشت رکھنے کی اجازت نہیں تو پورا جانور قربان کرنے کی اجازت کہاں سے ہوگی؟

نوٹ: تین دن کے بعد قربانی کا گوشت رکھنے کی ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی‘ بعد میں صرف اس بات کی اجازت دے دی گئی کہ اسے تین دن بعد بھی رکھا جا سکتا ہے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب عمل

ام المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے اور تم میں سے جو قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے (مسلم) اس طرح کی احادیث کی روشنی میں قربانی کرنے والوں کے لیے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹیں‘ لہٰذا اگر بال یا ناخن وغیرہ کاٹنے کی ضرورت ہو تو ذی القعدہ کے آخر میں فارغ ہو جائیں۔

تکبیراتِ تشریق

تکبیراتِ تشریق (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) ہر مسلمان بالغ مرد وعورت (خواہ اس پر قربانی واجب ہو یا نہ ہو‘ مسافر ہو یا مقیم‘ شہری ہو یا دیہاتی) پر 9 ذی الحجہ کی فجر سے لے کر 13 ذی الحجہ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ پڑھنا واجب ہے‘ مرد بآوازِ بلند اور عورت آہستہ آواز سے پڑھے۔

اپنی دنیا آپ پیدا کر۔۔۔!!

جوہر عباد

آج کل ساری دنیا میں سائنس و ٹیکنالوجی کا چرچا ہے۔ روزانہ نت نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ زندگی کو آسان سے آسان تر بنانے کے لیے بڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے۔ تجارت، دفاع، تعلیم، علاج، کھیل، ٹرانسپورٹ، میڈیا، پریس، صنعت و حرفت ۔۔۔۔ غرض کون سی ایسی فیلڈ ہے، جہاں کام نہیں ہورہا ہے۔ ماہرین نہ صرف زمین بلکہ خلاؤں کی وسعتوں اور سمندروں کی تہوں میں جاکر جاندار بجٹ اور حکومت کے مکمل تعاون اور سرپرستی کے ساتھ مسلسل کام یاب سائنسی تجربات کررہے ہیں۔ یقیناً انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کیے جانے والے تمام تر اقدامات قابلِ ستائش ہیں۔

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طرح کے زیادہ تر کام امریکا، برطانیا، اٹلی، فرانس، جرمنی، چین و جاپان جیسے ترقی یافتہ ممالک میں بڑھ چڑھ کر کیے جارہے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے جانے کی بھرپور کوششیں کی جارہی ہیں، جبکہ ہمارے مسلم ممالک ترقی کی اس دوڑ میں پیچھے بلکہ بہت پیچھے ہیں۔ ہر چند کہ ہمارے پاس خداداد صلاحیتیں، بہترین مہارتیں اور قدرتی وسائل انتہائی فراوانی کے ساتھ موجود ہیں، مگر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑرہا ہے کہ ہم مسلمان بڑے آرام سے اُن کی ایجاد مہنگے سے مہنگے داموں خرید کر انھیں مضبوط سے مضبوط تر بنائے جارہے ہیں۔ ویسے تو اغیار کے ہر امر کی پیروی کی جاتی ہے۔ اُن کے جیسے کپڑے پہننا، میک اپ و بالوں کے انداز بنانا، اُن کی زبانیں بولنا، اُن کے چینل دیکھنا، اُن جیسے کھانے پکانا حتیٰ کہ اُن کی رسمیں اور تہوار منانا بھی فیشن بن گیا ہے، غرض کون سی ایسی بات ہے جس کی نقل نہیں کی جاتی۔۔۔ اب تو ان تمام کاموں کا کرنا نہ صرف جدیدیت کا حصہ بلکہ باعثِ فخر بھی سمجھا جاتا ہے۔۔۔

جس کی نہ تو ہمارا دین اجازت دیتا ہے اور نہ ہی ہماری روایات۔۔۔ البتہ بات جب مثبت، مقابلے کی ہوتی ہے تو طویل خاموشی چھا جاتی ہے، پھر نہ تو حکومت توجہ دیتی ہے اور نہ ہی کوئی تنظیم کان دھرتی ہے، حالاں کہ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی شان کے مطابق: ”حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے، جہاں سے ملے سمیٹ لو۔“ پوری دنیا بہت اچھی طرح یہ بات جانتی ہے کہ یہ ساری ایجادات دراصل اُن عظیم مسلمان سائنس دانوں کی مرہونِ منّت ہیں جنھوں نے ابتدائی صدیوں میں انتہائی نامناسب اور کڑے حالات میں اُس وقت پوری تن دہی اور دل جمعی کے ساتھ سائنس پہ کام کیا جب ساری دنیا کو اس کی الف ب کا بھی پتا نہ تھا۔

ان بڑے بڑے سائنس دانوں میں ابن الہیثم، جابر بن حیان، الزاہروی، بو علی سینا، البیرونی، الغزالی، عمر بن خیام، ابن رُشد، ابن ماجہ، موسیٰ الخوارزمی، حکیم یحییٰ منصور، قطب الدین شیرازی، ابن خلدون، ابو بکر الراضی جیسے بے شمار نام قابلِ ذکر ہیں، جنھوں نے حیاتیات، معدنیات، ریاضی، ہیئت، کیمیا، فلسفہ، طبیعات، جغرافیہ، فلکیات، بحریات، طب، حیوانیات، نباتات اور علم الاعداد کے ساتھ ساتھ زندگی کے بقیہ تمام شعبوں میں بھی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

ان حضرات نے اپنی ساری زندگی انسانی فلاح و بہبود کے لیے وقف کردی اور رہتی دنیا کے لیے مشعل راہ بن گئے۔ ان کے ناقابلِ فراموش سائنسی تجربات، قیمتی فارمولوں اور تیر بہ ہدف مثالوں پر مبنی بیش بہا تصانیف نے سارے عالم میں تہلکہ مچادیا، جن کا دنیا کی تقریباً تمام مشہور زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے اور مغربی دنیا اُن سے مسلسل اور بھرپور استفادہ کررہی ہے۔

جب کہ عصرِ حاضر میں ڈاکٹر عبدالقدیر کا نام نہ لینا سراسر ناانصافی ہوگی، جنھوں نے انتہائی نامساعد حالات میں پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کی حفاظت کے لیے ایٹم بم بنا کر نہ صرف ایک حیرت انگیز مثال قائم کی بلکہ ساری دنیا کو حیران و پریشان کردیا۔

مگر انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی راہوں سے بھٹک کر حاکم بننے کے بجائے دوسروں کے محکوم بن گئے اور اپنی نادانیوں و عیش پرستی کے باعث اپنے عظیم الشان بزرگوں کے وہ قیمتی تجربات و فرمودات باآسانی کھو بیٹھے جن پر مغربی دنیا نجانے کب سے گھات لگائے بیٹھی تھی۔

غفلت سے اہلِ علم کی مالا جوں ہی گری
غیروں نے علم و حکمت کے موتی اُچک لیے

رونا تو اس بات کا ہے کہ ہمیں اور ہماری نوجوان نسل کو اس بات کا احساس تک نہیں ہے کہ ہم کیا خزانہ گنوا چکے ہیں۔ ہمارے بچوں کو پڑوسی ملک کی فلموں کے تمام ہیرو ہیروئنوں کے نام و کام تو یاد ہیں، مگر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابِ کرامؓ سمیت ان مسلمان ہیروؤں کے کاموں سے تو کیا ناموں تک سے ناواقف ہیں، جن کی وجہ سے سائنس اس مقام پر کھڑی ہے اور اس ضمن میں ان بچوں کو بے قصور ہی کہوں گی کیوں کہ انھیں یہ باتیں بتانا ان کے بڑوں کا کام ہے۔ یاد رکھیے!

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خود خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام مسلمان فوری طور پر خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر اپنے اسلاف کی روایات کو زندہ کرتے ہوئے شبانہ روز محنت کرکے تعلیم و ٹیکنالوجی کے میدان میں نہ صرف کام یابیوں کے جھنڈے گاڑیں بلکہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت دوبارہ حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہوجائیں۔ یقین جانیے! یہ عمل مشکل ضرور ہے، مگر ناممکن ہرگز نہیں۔۔۔

ہمیں اپنی نوجوان نسل خاص طور سے بیرونِ ممالک میں زیرِ تعلیم پاکستانیوں سے امید ہونی چاہیے کہ وہ انتہائی توجہ، خلوص اور خصوصی لگن کے ساتھ بہترین دینی و دنیاوی تعلیم حاصل کرکے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر میدان میں نت نئے کارنامے انجام دے کر اسلام کے قابلِ فخر سپوتوں کی لائن میں کھڑے ہونے کی تمام تر کوششیں کرکے اپنے ملک و قوم کا نام روشن کریں گے اور اس سلسلے میں والدین، متعلقین اور اساتذہ اپنے بچوں کی بھرپور رہنمائی و حوصلہ افزائی کریں گے کیوں کہ۔۔۔

خدا کا فضل ہے جوہرؔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا
شروع کردیجیے سینچنا، بہت زرخیز ہے مٹی

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔۔۔ آمین!

امراض و احتیاط

امراضِ اعصاب حصہ اول

حکیم شمیم احمد

انسان اعصابی مریض کیوں بنتا ہے؟

آپ نے اِعصاب کی ساخت کے بارے میں چارٹ دیکھا ہوگا کہ اعصابی رگیں ندی نالوں کی مانند تمام جسم سے گزرتی ہیں اور کارکردگی کے لحاظ سے مختلف گروپوں میں تقسیم ہوتی ہیں' اس ضمن میں اتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ ہمارے اعصاب جسم اور دماغ کے درمیان رابطے قائم کرتے ہیں۔ تار برقی (ٹیلی گراف کے پیچیدہ نظام سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ایک صحت مند جسم کے اعصاب یقیناً صحت مند ہوتے ہیں اور وہ شاذونادر ہی بیمار ہوتے ہیں۔

اعصاب کی نشوونما

اعصاب کی نشوونما کے لیے مناسب غذا کے علاوہ خون کی صفائی بے حد ضروری ہے اور اس کے لیے باقاعدہ ورزش کا پابند ہونا چاہیے' تاکہ پھیپھڑوں کو آکسیجن زیادہ ملے اور پیٹ کی آنتیں حرکت میں آئیں۔ جِلد کا چند منٹوں کے لیے مساج بھی مالش کی طرح حد درجے مفید ہے۔ اس سے اعصاب کو خون ملتا ہے اور دورانِ خون ٹھیک رہتا ہے۔

ایک بہت بڑا فن

یہ بات یقینی ہے کہ سوائے چند ایک پیٹنٹ دوائیوں کے انکا اثر تعمیری اور دیر پا نہیں ہوتا' وہ محض وقتی سکون پہنچاتی ہیں۔ دراصل ہم فطرت کے قوانین کی خلاف ورزیوں سے بیمار پڑتے اور ان کی طرف واپس لوٹنے سے دوبارہ صحت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم تھکے ماندے مضمحل ہونے پر مقوی دواؤں اور مخصوص غذاؤں پر انحصار کرتے ہیں اور فطرت سے ملنے والی تنبیہ اور علامات کے باوجود اپنی زندگی کے طور طریقوں اور رہن سہن کی عادتوں کی اصلاح نہیں کرتے اور نہ ہی مستقل و دیرپا اور مفید طریقوں کو اختیار کرنے کی طرف دھیان دیتے ہیں۔ کامیابی سے زندگی گزارنا' ایک بہت بڑا فن ہے اور اپنی کمزوریوں پر حدود میں رہتے ہوئے ان پر قابو پالینا' ایک بہت بڑی فتح ہے۔

خون کی پیدائش

آپ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ اعصاب بہت کم بیمار ہوتے ہیں' لیکن انہیں غذا' حرکت اور آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اپنی غذا خون سے حاصل کرتے ہیں۔

خون کی پیدائش کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔

اوّل: خون پیدا کرنے والے اور صاف کرنے والے اعضائے رئیسہ پر۔

دوم: خوراک کی مناسب مقدار اور اس کی عمدہ نوعیت پر۔

مناسب اس لیے کہ خوراک کی کمی سے اعصاب فاقہ زدہ اور زیادہ کھانے سے مشتعل اور زہر آلود ہو جاتے ہیں اور نقص تغذیہ اور غلط خوراک کھانے سے ان میں ضروری اجزا کی کمی بیشی سے اعصاب کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔

میرا مشاہدہ ہے

جب لوگ رات دیر سے سوتے ہیں تو صبح بے دار ہونے پر تکان محسوس کرتے ہیں' لیکن وقت پر سونے اور سویرے بے دار ہونے پر کوئی تکان محسوس نہیں کرتے۔ ہمارے معاشرے میں اکثر گھروں میں زندگی کی گھما گھمی قدرتی نیند کے وقت شروع ہوتی ہے۔ اس قیمتی وقت کو ٹی وی دیکھنے میں ضایع کر دیتے ہیں' اس طرح شادی کی تقریبات اور پارٹیاں آدھی رات تک جاری رہنا' صحت کے لیے مضر ہے۔ اگر آپ اپنا اگلا دن بستر پر گزاریں تو پھر ٹھیک ہے' لیکن اگر کام پر جانا ہے تو پھر اس کے لیے آپ کے پاس نصف طاقت ہوگی۔

غذائیں وٹامنز اور نمکیات

علمِ طب کی رو سے غذائیں وٹامنز اور نمکیات کی ضرورت کے بارے میں بہت کچھ بتایا جاتا ہے اور اس میں شامل ناموافق اجزا کے متعلق بھی بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ یہ سب معلومات دل چسپ تو ہو سکتی ہیں' لیکن ان کا مفید ہونا یقینی نہیں ہوتا۔ اوسط درجے کی خوراک میں تمام ضروری نمکیات اور وٹامن خاص مقدار میں شامل ہونے چاہیں' اس کے علاوہ آپ کے لیے سلاد اور پھلوں کا باقاعدہ استعمال بھی ضروری ہے۔ یہ بات درست نہیں کہ کبھی کبھار جی چاہنے پر انہیں کھا لیا جائے۔

ہمارے ایک دوست کے تاثرات

انسان کو تفریح کی بھی ضرورت ہے، لیکن وہ جتنا زیادہ صحت مند ہوگا، اسے اس کی کم ضرورت ہوگی، جیسا کہ ہمارے ایک دوست نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ وہ سادہ چیزوں سے بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایک صحت مند انسان، جب تھکا ماندہ نہ ہو تو وہ کھانے پینے اور اپنا کام دیانت سے اور محنت سے کرنے میں خوشی محسوس کرتا ہے، جب ہم کسی تفریح کی خاطر اپنی نیند پوری نہیں کرتے تو اس سے پیدا شدہ تکان ایک خوش گوار کام کو بھی ہمارے لیے تکلیف کا باعث بنا دیتی ہے۔ تندرستی کی حالت میں ہمیں اپنے کام میں زیادہ لطف کسی اور چیز میں نہیں آتا۔

انسان شور و غل میں اپنے سونے کے لباس کے بجائے بھاری بھر کم کپڑے پہنے بیٹھا رہتا ہے اور جاگتا رہتا ہے۔ ریڈیو سننا ایک سادہ تفریح ہے، میں اسے جتنی دیر سنوں گا، جاگتا رہوں گا، اگر میں اسے بند کر کے 10 بجے بستر پر لیٹ جاؤں تو پروگرام سننے کی خواہش کے باوجود مجھے اچھی نیند آجائے گی۔

ذاتی تجربہ: ذاتی تجربے سے مجھ پر ثابت ہوا کہ سونے کے قدرتی وقت میں تاخیر کرنے سے ہم فطرت کے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور بعد میں اس حماقت کی ہمیں بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی ہیں۔ معدے میں زیادہ خوراک کے سبب بھی ہم تھکے ہوئے بیزار ہوتے ہیں۔ ہمیں رات کا آخری کھانا سونے سے تین گھنٹے قبل کھا لینا چاہیے۔ بہت زیادہ کپڑے اور سامان سے بھرا ہوا کمرا بھی نیند کے لیے مناسب نہیں۔

معدے کی تندرستی

آپ چند اور ورزشیں کر کے اپنے معدے کو تندرست کر سکتے ہیں۔ مثلاً: پیدل چلنا اور سائکلس چلانا معدے کے لیے بہت مفید ورزشیں ہیں۔ ہر قدم چلنے یا پیڈل دھکیلنے سے معدے میں درستی اور موبکطی پیدا ہوتی ہے، اس کے علاوہ ایک بہت سادہ اور مفید ورزش یہ ہے کہ آپ سیدھے فرش پر لیٹ جائیں اور اپنی ٹانگوں کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھائیں، یہاں تک کہ وہ جسم کے ساتھ زاویہ قائمہ بنائے، یہ ورزش کرتے وقت اگر معدے پر ہاتھ رکھیں تو اس میں حرکت کا احساس ہوگا۔

* گہرا سانس لینا بھی بڑا مفید ہے کیوں کہ پردۂ شکم پر دباؤ پڑنا معدے کے لیے ورزش کا حکم رکھتا ہے، گہرے سانس لینے سے اعصاب مبوشط اور خون رواں ہو جاتا ہے۔

ہماری اکثریت اپنی صحت اور تندرستی کے لیے محنت نہیں کرنا چاہتی اور آرام دہ کرسی پر بیٹھے ہوئے علاج چاہتی ہے اور آرام دہ کرسی تو بدہضمی کی ساتھی ہے۔ ہزاروں اعصابی مریض اپنے تکیے ہوئے اعصابی نظام کو اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ مخصوص خوراک اور پیٹنٹ دواؤں کے سہارے جیتے ہیں۔ ان میں اعصابی کم زوریوں کے بگاڑ کی کئی علامتیں نظر آتی ہیں، مثلاً: نیند سے بے داری کے بعد تکان محسوس کرنا یا کسی آواز کے اچانک سننے یا ذرا سی آہٹ پر چونک پڑنا، کسی بات پر توجہ نہ دے سکنا، رات دیر تک جاگتے رہنا، ہر وقت پریشانی، وسوسوں، تشویش اور حسد میں مبتلا رہنا۔ گھر اور بچوں کی فکر میں گھلتے رہنا بتدریج سوشل زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرنا اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنا وغیرہ۔

ذہنی دباؤ

اعصابی نظام کے حد سے زیادہ کام کرتے رہنے سے بھی ذہن پر دباؤ رہنے لگتا ہے۔ ایک آدمی کو اپنا سر پکڑے ہوئے دیکھا گیا، جیسے اس پر ہزاروں ہتھوڑے پڑ رہے ہوں، بہ ظاہر یہ کیفیت سنگین نظر آتی ہے۔ دراصل اس آدمی نے اس شدید ترین حالت تک پہنچنے سے پہلے ابتدائی علامات سے بہت لاپرواہی برتی ہے، ممکن ہے اس نے ہفتوں اس تکلیف اور دباؤ کو محسوس کیا ہو اور پھر اسے نشہ آور دواؤں سے دبا دیا گیا ہو، اگر وہ ابتدا ہی میں اس پر دھیان دیتا تو اس اذیت سے دوچار نہ ہوتا۔

مریض کو مکمل آرام کی ضرورت

تکان سے چور اعصاب جسم کے کسی بھی حصے میں درد کا باعث ہو سکتے ہیں۔ یہ اعصابی تکلیف کسی طبعی سبب یا اعصاب میں نقص کی وجہ سے پیدا ہو سکتی ہے۔ دونوں ہاتھوں میں شدید درد ہوگا، جس کی صحیح تشخیص مشکل سے ہوتی ہے۔ اعصاب متاثر ہونے کی وجہ سے سر میں درد ہو تو کئی مریض اسے جسمانی یا طبعی تکلیف خیال کرتے ہیں، اکثر اوقات درد کی شدّت کی وجہ سے انسان یہ سوچنے لگ جاتا ہے کہ اسے پاگل پن کا دورہ پڑنے والا ہے، اس خوف کی وجہ سے درد میں اضافہ ہو جاتا ہے اور دائمی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ ایسی حالت میں مریض کو مکمل آرام کرنا چاہیے۔

توازن برقرار رکھا جائے

سب سے اہم بات یہ ہے کہ کام اور آرام کے درمیان توازن برقرار رکھا جائے یا تو آپ اپنے کام کی کاوشوں کا عرصہ کم کریں یا نیند کا وقت بڑھا دیں، ورنہ آپ کی تکلیف کم نہ ہوگی، اس کے علاوہ جب آپ تھکاوٹ کی علامتوں پر بھی ان سے غفلت برتیں گے اور ان پر دھیان نہیں دیں گے تو پھر تکان کا دور کرنا زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

اس لاپرواہی کے نتیجے میں آپ بڑی الجھن میں پھنس جائیں گے، یعنی دن میں بہت زیادہ کام کرنے سے رات میں سکون کی نیند کم آئیگی، جس سے جسم کی زائل شدہ طاقت بحال نہ ہوگی اور رات کی بے آرامی اگلے دن کے کام کو زیادہ مشکل بنا دے گی۔ اس سے نکلنے کے لیے آپ کو عرصہ کام کے دوران کھانا کھانے کے اوقات میں آرام کر لینا چاہیے۔

Zaiby Jewellry

Saddaer

LET'S CELEBRATE THIS

Eid Ul Adah

WITH GLITTER AND GOLD FROM

Zaiby Jewellry

021-35215455, 35677786 zaiby.jeweller@gmail.com Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

گھر

اُمِّ نُسیبہ

فضاؤں میں مسحور کن خوشبو ہی تو بکھر جاتی تھی، جب گھر میں داخل ہوتے ہی اس کے بابا ایک مانوس سی صدا بلند کرتے: "کہاں ہے میری میٹھی دھی۔" اور وہ لپک کر دروازے پر جاتی، بابا کو سلام کرتی اور مٹکے کا ٹھنڈا پانی کٹورے میں ڈال کر ان کو تھماتی۔ دن بھر کی چھوٹی چھوٹی اور بقول اماں کے فضول سی باتیں بابا کے گوش گزار کرتی اور بابا مسکراتے ہوئے اس کی ساری رام کتھا سنتے۔ واقعی کسی نے سچ ہی تو کہا ہے کہ مرد کی خانگی زندگی کے تعلقات کو پرکھنا ہے تو دیکھو کہ اس کے بیوی بچے اس کے گھر آنے پر خوش ہوتے ہیں یا ناخوش اور اماں سمیت سب ہی گھر آنے پر بابا کے صدقے واری ہی تو جاتے تھے۔

مختصر سا گھرانا تھا، اماں ابا اور اس کے دو بھائی۔ مٹی کے اس کچے گھر کے مکین رشتوں کے تقدّس کو بخوبی سمجھتے تھے۔ وہاں رہنے والے پانچ نفوس کے دل محبت کی اَن دیکھی ڈور سے مضبوطی کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ اس کے سادہ سے ماں باپ نے اسکول کی شکل تک نہ دیکھی تھی، مگر یہ بات انھیں ازبر تھی کہ گھر کی بنیادوں میں اتحاد واتفاق نہ ہو تو وہ گھر مضبوط قلعہ ہوتے ہوئے بھی ریت کے ڈھیر کی مانند کم زور اور ناپائے دار ہوتا ہے۔

"میرا بابا نا میری اماں کو مارتا ہے۔" یہ بات اس کی محلے کی سہیلی عاشی آنکھوں میں اداسی لیے اسے بتا رہی تھی اور وہ یہ سن کر دم بخود ہی تو رہ گئی تھی۔ "کیا!!۔۔۔ بھلا بابا بھی مارتے ہیں؟؟" چھوٹی سی عمر کا نیا انکشاف تھا۔ اس نے اچنبھے سے دریافت کیا تھا۔ جواباً عاشی نے پتا نہیں اور کیا کہا مگر۔۔۔ پھر عمرِ رفتہ کے ساتھ ساتھ اسے اس بات کا ادراک ہوتا چلا گیا کہ ہر کوئی اس کے بابا جی جیسا نہیں ہوتا۔ کہنے کو اس کا باپ دولت اور جائیداد نام کی شے سے ناآشنا تھا، مگر پھر بھی ان سب کو روکھی سوکھی کھا کر ایک مضبوط پناہ گاہ کا خیال ہر آن سرشار رکھتا تھا۔ انھیں ایک مان تھا کہ ان کا سائبان انیں زمانے کے سرد و گرم سے بچانے کے لیے کافی ہے۔

پھر وقت کا پہیا گھوما اور توانا وجود ناتواں ہونے لگا۔ ذمے داریوں سے سبک دوش ہونے کی گھڑی آگئی اور بابل کے آنگن کو ویران کرنے کا وقت آن پہنچا۔ کسی کے ذریعے ساتھ والے گاؤں سے ایک مناسب رشتہ آیا اور شکیلہ آنکھوں میں کئی سپنے سجائے پیا دیس سدھار گئی۔۔۔!!!

کچے سے گھروندے کی باسی شکیلہ نے کبھی بڑے بڑے خواب نہ دیکھے تھے، نہ ہی اسے یہ امید تھی کہ گھوڑے پر سوار کوئی شہزادہ اسے اپنے محل کی زینت بنائے گا۔ اسے تو یہ بات اچھی طرح ازبر تھی کہ کوئی اس کے جیسا ہی چھوٹے سے گھر کا مگر بڑے دل والا شخص اس کی زندگی کے چھوٹے چھوٹے خواب پورے کردے گا اور اس کی زندگی بھی مکمل ہو جائے گی، مگر کسے معلوم تھا کہ ان خوابوں کو خواب ہی رہنا ہے، شرمندہ تعبیر نہیں ہونا۔

***

"اوے ے ے بد بخت! یہ اینٹ پکڑا مجھے۔۔" اس نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ گرجتے بھڑکتے جملے نے یادوں کا تسلسل توڑا اور نہ جانے کب سے پلکوں کے کنارے پر ٹھہرا اشک گالوں پر بہ پڑا، اس نے غیر محسوس انداز سے آنسو کو اپنے دوپٹے میں جذب کیا، ورنہ اس کو روتا دیکھ کر اس کا ہم سفر اس کے اشکوں کو پونچھنے کے بجائے لعنت ملامت کے باعث مزید رونے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے مجازی خدا کو اینٹیں تھمانا شروع کر دیں۔ "روٹی کھا کھا کر بھینس ہوئی جا رہی ہے اور کوئی کام بول دو تو ہاتھوں میں دَم نہیں تیرے۔" رشید عرف شیدا اسے حقارت سے دیکھتا ہوا مسلسل زہر اُگل رہا تھا۔ "یہ لو سائیں" وہ فقط منمنائی۔

بڑی مشکل سے جوڑ توڑ کر کے وہ اپنی آبائی زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے پر ایک کمرے پر مشتمل چھوٹا سا گھر بنانے کے قابل ہوئے تھے۔ مزدوروں کا خرچہ وہ اپنی قلیل آمدنی سے برداشت نہیں کر سکتے تھے اور مستری کا تھوڑا بہت کام شیدا خود جانتا تھا، لہٰذا گھر کی تعمیر خود شروع کی۔ فقط چھت پڑتے ہوئے ہی اجرت پر مزدوروں کی ضرورت پڑی۔ باقی تعمیر شیدے نے خود کی۔ آج گھر کی تعمیر تقریباً مکمل ہو چکی تھی اور چند دنوں بعد انھیں یہاں منتقل ہونا تھا۔

"اوے کاشف! تجھے میں نے سو بار کہا یہ کچرا پھینک آ کہیں! مگر نہیں، تجھ بے غیرت کے کانوں پر تو جوں نہیں رینگتی نا!" شیدے نے نفرت آمیز لہجے میں اپنے بیٹے کو مخاطب کیا۔ "ہاں ابا! بس ابھی جاتا ہوں۔" دس سالہ کاشف ڈر کر کچرا سمیٹنے لگا۔ کسی کام کے لیے نہ کہنے یا لاڈ نخرہ دکھانے کی گنجائش ہرگز نہ تھی، یہ بات چھوٹا سا کاشف اچھی طرح جانتا تھا۔

سات سالہ لبنیٰ باپ کے رویے سے ڈری سہمی ایک طرف کو سمٹی کھڑی تھی۔ شکیلہ نے حسرت سے ننھی لبنیٰ کی جانب دیکھا، کتنا مختلف احساس تھا شکیلہ اور لبنیٰ کے لیے باپ بیٹی کے رشتے کے بارے میں۔ ایک کے لیے دنیا کا بہترین رشتہ اور دوسری کے لیے خوف و دہشت کی علامت۔

اس کے بابا اور اماں تو قبر میں جا سوئے تھے۔ حالِ دل سننے والا کوئی نہ تھا اور ان کی زندگی میں بھی اسے گوارا نہ تھا کہ اس کے ماں باپ اپنی بیٹی کی فکر میں گھلتے رہیں، سو اس نے ہمیشہ شوہر کی نام نہاد محبت کا بھرم والدین کے سامنے قائم رکھا۔

ہونہہ۔۔۔ بن گیا یہ کم زور اور ناپائے دار سا گھر!! شیدے یہ تو مجھ ایسی چند جماعتیں پڑھی بھی جانتی ہے کہ گھر فقط گارے مٹی اور اینٹوں کا نام نہیں ہوتا۔ گھر میں رہنے والے افراد کے دل جب پیار و ایثار کے سیمنٹ سے جُڑتے ہیں تو محبت کی ایک مضبوط عمارت وجود میں آتی ہے۔ ہاں، گھر تو مکینوں کے دل ملنے سے بنتے ہیں۔" شکیلہ نے حسرت سے سوچا اور سر جھٹک کر کاموں میں مصروف ہو گئی۔"

بلاعنوان

فروا مشتاق

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 اگست ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

"اور کیا ہو رہا ہے بزرگو!؟" شکیل گنّا چھیلتے ہوئے، معدے حلوائی کی دکان پر آ بیٹھا۔ لفظ "بزرگو" پہ بالوں کو کلف لگائے معدے حلوائی نے اسے دیکھا۔ "خیر تو ہے۔ آج تم نے سورج سے مقابلہ کیسے لگا لیا؟" حمید حلوائی نے بھی اس پر چوٹ لگائی۔ "بس چچا میں نے سوچا کوئی توبہ شوبہ کر لی جائے صبح اٹھ کے۔" اس نے گنّے کے چھلکے منہ سے اڑائے۔ "توپُتر! توبہ کے بعد صبح سویرے چوری کرنے کی کیا تُک بنتی ہے؟ مسلمان بننا ہے تو بندے کا پُتر بھی بَن۔" "ہائیں!!" شکیل منہ ہلانا بھول گیا۔ "کون سی چوری؟ میں نے کیا کیا؟" "یہ گنّا جو تم مسجد کے پاس کھڑی ٹرالی سے نکال کر لائے ہو۔ یہ چوری نہیں؟" "اوہو چاچا! جان ہی نکال دی میری۔ خیر کر لو تم بھی میرے ساتھ، اب میں چار دن ہی ہوں یہاں بس۔" چچا نے چونک کر دیکھا۔ "کیوں پُتر؟ خیر سے اوپر کا ٹکٹ کٹوا لیا ہے کیا؟ مجھ سے معافی مانگنی ہے تو ابھی مانگ لے، پھر تو گاہک آنا شروع ہو جائیں گے۔" شکیل کا زوردار قہقہہ گونجا۔ چچا سے اس کی گاڑھی دوستی تھی۔ عرصہ ہوا، اس نے آپ کا تکلّف بھی چھوڑ دیا تھا۔ عمروں کے واضح فرق کے باوجود یہ نوک جھونک ان کا معمول تھا۔ "نہیں چچا، معافی ادھار سہی، واپس آؤں گا، تب مانگ لوں گا۔" "اوئے سیدھی طرح بتا! کہاں جا رہا ہے تو؟" چچا نے پوچھا۔ "امریکا جا رہا ہوں چچا! دل اکتا گیا ہے یہاں سے۔" "کب جا رہے ہو؟" "بس کچھ دنوں میں۔" "نہ تو تمہیں یہاں کیا تکلیف ہے؟" "چھوڑیں چچا! کیا رکھا ہے، لوگ ڈگریاں اٹھائے سڑکوں پہ پھر رہے ہیں اور اَن پڑھ کرسیاں سنبھالے ہوئے ہیں۔ سیاست دانوں کے اپنے ہی جھگڑے ختم نہیں ہوتے، ملک خاک چلائیں گے۔ سارا تالاب گندی مچھلیوں سے بھرا پڑا ہے اور اس ملک میں جو گندگی ہے۔ ابھی کل ہی ٹی وی پر دِکھا رہے تھے کہ ساحلِ سمندر پر لوگوں نے کوڑا کرکٹ پھینکنا شروع کر دیا اور تو اور ریلوے اسٹیشن پر کھڑی ٹرین اور مال گاڑیوں کے اسٹینڈ پر بھی کوڑے کے شاپر لٹکتے دِکھائے گئے۔ پرسوں میں جمعے کی نماز پڑھ کر واپس آ رہا تھا، ایک گھر کے آگے سے گزرا تو اچانک کسی عورت نے گھر کی دیوار پر سے بچا ہوا سالن اور چائے کی پتی میں پانی ڈال کر باہر پھینکا، جس سے میرے کلف لگے سفید کپڑوں پر نقش و نگار الگ بنے اور عجیب سی بو الگ آنے لگی۔ اب تم ہی بتاؤ، اس قوم کا علاج ہو سکتا ہے؟ میں تو کہتا ہوں تم بھی تیاری پکڑو۔ میں جاتے ہی تمہارا ویزا بھجوا دوں گا۔" بات کرتے ہی اس نے کڑاھے کے کناروں پر پڑی جلیبی اٹھانا چاہی کہ چچا کا گرم چمٹا اس کے ہاتھ کی پشت پر پڑا۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا۔ "چچا! کیا دماغ خراب ہو گیا؟ اُف میرا ہاتھ!!" اس کے ہاتھ کی پشت پر جلنے کا بڑا سا نشان بن گیا۔

"یہ جلن اس کے آگے کچھ نہیں جو تو نے مجھے لگائی ہے۔ میں نے تین جنگوں میں اپنا باپ، بھائی اور بیٹا اس دھرتی کے لیے قربان کر دیا اور تو مجھے بتا رہا ہے کہ یہاں کیا ہے۔ اوئے اچھی بری چیزیں تو ہر جگہ ہوتی ہیں، مگر تمہیں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ بد تہذیب قوم ہے۔ انہیں بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں۔ یہاں پڑھے لکھے جاہل موجود ہیں جو اپنی املاک کو چھوڑ جاتے ہیں، تاکہ دوسرے اس پر قبضہ کر لیں۔ یہاں ایک تعلیم یافتہ آدمی کا پھینکا گیا کوڑا ایک اَن پڑھ خاکروب اٹھاتا ہے۔ تو ٹھیک کہتا ہے تو جا امریکا۔ وہاں پر تو یہ سب نہیں ہوتا ہو گا۔ تو پڑھا لکھا ہے، تجھے یہاں نہیں ہونا چاہیے اور ہاں! یہ نشان تو میری طرف سے "آخری تحفہ" سمجھ لے۔ جب تک تیرے ہاتھ پہ رہے گا، تجھے بھی یاد رہے گا کہ تو نے کیا کہا تھا اور میں نے کیا کہا تھا؟ او نظام الدین! یہاں سے بھی گنّے کے چھلکے لے جاؤ۔ یہ ہمارے امریکی بابو کے منہ سے گر گئے ہیں۔" شکیل حیران پریشان سا جلا ہاتھ لیے چچا کو دیکھتا رہا۔

***

جاڑے کی سرد اور طویل راتوں نے سب کو لحافوں میں گھُس جانے پر مجبور کر دیا۔ چچا وحید کا چھوٹا سا خاندان (دو بچے اور چچی نائمہ) بھی باقی سب گھر والوں کے ساتھ بیٹھے باتیں کرتے ہوئے مونگ پھلی سے انصاف کر رہے تھے۔

"شکر الحمدللہ! جو برسوں بعد اپنوں میں بیٹھ کر اپنی مٹی کے میوے کھانا نصیب ہوئے۔" چچا نے شکرانے کے طور پر دونوں ہاتھوں منہ پر پھیرے۔

" میرے دل
میں بس
ایک ہی
تمنا

باقی تھی کہ ایک بار اپنے ملک واپس چلا جاؤں۔ اپنی مٹی کو چوموں۔ شکر ہے اللہ کا جس نے میری تمنّا پوری کر دی۔" "ارے وحید! تم تو کچھ زیادہ ہی ترسے ہوئے لگ رہے ہو۔" بڑے بھائی کی بات پر انو؟ں نے آہ بھری۔

"بھائی اس مٹی سے محبت کیوں نہ ہو، جس کے لیے ہمارے ماں باپ نے اپنی جان دے دی۔ بھائی میں نے سوچا ہے اپنے ارحم کو فوج میں بھیجوں گا۔ میں چاہنے کے باوجود اپنے باپ کا خواب پورا نہ کر سکا، مگر ارحم یہ کرے گا۔" سب کی نظریں ارحم پر تھیں، جس کے چہرے پر بادِ باسا جوش تھا۔

"میں بھی آرمی میڈیکل کالج میں داخلہ لوں گی؟" فاطمہ نے بھی اپنا مدعا بیان کیا۔ "بالکل ان شاء اللہ۔" چچا نے وثوق سے کہا۔

شکیل، جو کافی وقت سے جمائیاں روک رہا تھا، کوفت سے ماں کو دیکھ کر اشارہ کیا۔ (پوچھیں بھی؟) امی نے اسے آنکھیں دِکھا کر ابا کو اشارہ کیا۔ عبدالقدیر پہلے ہلکا سا کھنکارے پھر چھوٹے بھائی کو مخاطب کیا۔

"چلو! ارحم تو فوج میں بھرتی ہو جائے گا، پھر پیچھے شکیل تو ہو گا تمہارے پاس۔ تمہیں بھی کام میں کوئی مسئلہ نہ ہو گا۔" چچا نے چونک کر دیکھا۔ "کیا مطلب؟ شکیل کہاں جا رہا ہے؟" "لو تمہیں بتایا تو تھا۔ تمہارے ساتھ ہی جائے گا امریکا۔" "مگر امریکا

کیوں؟" "کیوں کا کیا مطلب ہے۔ تمہیں کہا تھا کہ شکیل تمہارے ساتھ ہی جائے گا۔" اماں نے بھی لگے ہاتھوں کہا۔

"مگر بھائی میں ہمیشہ کے لیے پاکستان آ چکا ہوں۔" انواں نے چھوٹا سا بم پھوڑا' جس کے تباہ کن اثرات کے باعث اماں' ابا اور شکیل پلکیں جھپکنا بھول گئے۔

***

گھر والوں کا رویہ چچا کے گھر والوں سے کھنچا کھنچا سا ہو گیا۔ یہاں تک کہ بات کا جواب بس ہوں ہاں تک محدود ہو کر رہ گیا۔

"بھائی جان! میں ہمیشہ کے لیے پاکستان آیا ہوں۔ آنے سے پہلے میں نے سوچا تھا کہ ہم دونوں بھائی اپنے آبائی گھر میں باقی زندگی گزاریں گے' مگر موجودہ حالات اس کے الٹ ہیں۔ میں نے شہر میں ایک مکان خریدا ہے۔ آج کل میں ہم وہاں چلے جائیں گے۔ میں دل سے نہیں چاہتا کہ شکیل امریکا جائے۔ جوان خون باہر کی عیاشیوں کے لیے دوڑتا ہے' مگر جب کمر جھک جائے' خون کا فشار ہلکا ہو جائے تو جسم اپنی مٹی مانگتا ہے۔ نرم اور گرم! ایسا سکون کہیں نہیں ملتا۔ پرائی شے اور پرایا ملک کب اپنا بنتا ہے۔ اس ملک نے ہمیں سب کچھ دیا' مگر ہم نے کیا دیا بھائی؟ مجھے افسوس ہے بھائی! آپ شکیل کے دل میں اپنے وطن کی محبت پیدا نہ کر سکے۔ میرا دوست کل کو واپس آ رہا ہے۔ وہ شکیل کا ویزہ لے آئے گا۔" عبدالقدیر خاموشی سے چائے پیتے رہے۔

اور پھر شکیل امریکا پہنچ گیا۔ کون کہتا تھا امریکا فضول ملک ہے؟ کون کہتا تھا خواب پورے نہیں ہوتے؟ کیا نہیں تھا امریکا میں؟ جو یہاں تھا وہ اور کہاں مل سکتا تھا؟ وہ کافی دیر سے فٹ پاتھ پہ کھڑا شہر کی روشنیاں دیکھ رہا تھا کہ ایک سپاہی اس کے پاس آیا۔ "کیا کر رہے ہو تم یہاں پہ کھڑے؟" "کچھ بھی نہیں۔ ویسے ہی کھڑا ہوں۔" "ویسے ہی کیوں کھڑے ہو؟ کوئی کام دھندا نہیں ہے تمہارے پاس؟ کتنی دیر سے تم یہاں کھڑے اِدھر اُدھر تانکا جھانکی کر رہے ہو۔" "کیوں تمہیں بل آ رہا ہے میرے کھڑے ہونے سے۔" اس کی تکرار پر دوسرا سپاہی بھی اس کے پاس آیا۔ بات بڑھی تو شکیل کو تین ماہ کے لیے جیل بھیج دیا گیا۔

انجان ملک میں قید کاٹنا' بہت ہی مشکل تھا۔ تین ماہ بعد واپس آیا تو اسے نوکری سے فارغ کیا جا چکا تھا' اس نے کئی جگہ فیکٹری' کارخانوں اور کمپنیوں میں اپنی سی وی بھیجی' مگر ہر جگہ ایک ہی شرط تھی۔ قومی شہریت۔۔۔ جو اس کے پاس نہیں تھی۔ ہر ملک کی مراعات اس کے شہریوں کے لیے ہوتی ہیں۔ یہ بات اسے اب سمجھ آئی تھی۔ کسی بھی اچھے عہدے کے لیے امریکی ہونا ضروری تھا۔ باقی ٹکے ٹکے کی نوکریاں تو صرف دیارِ غیر کے لوگوں کے لیے تھیں۔ بالآخر اسے ایک آفس میں وارڈ بوائے کی نوکری مل گئی۔ پاکستان میں یہ نوکری اس کے جوتے کی نوک پر ہوتی' مگر یہ پاکستان نہیں تھا۔ یہ امریکا تھا۔ اس نے یہ کڑوا گھونٹ بھی حلق سے اتار لیا۔ اب بات بات پر ڈانٹ سننے کو ملتی۔ گوروں کے آفس اور واش روم صاف کرنے سے لے کر ڈاک مطلوبہ میز پر پہنچانا اور وقت بے وقت پانی اور کافی فراہم کرنا' اس کا فرض تھا۔ ایک روز آفس میں سے کچھ کیش کم ہو گیا' سی سی ٹی وی کا تار کٹا ہوا تھا۔ سو سب نے مل کر الزام اس پر لگا دیا اور وہ ایک بار پھر جیل پہنچ گیا۔ اب اس کے کردار پر دو داغ تھے۔ پولیس پر حملہ اور چوری۔

تین ماہ بعد وہ ایک بار پھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ جیب میں صرف دو ڈالر تھے۔ کٹی ہوئی جیب' چہرے پہ خراشیں اور نشان' پھٹی ہوئی شرٹ۔ کیا تھا امریکا میں؟ لوگ سمجھتے ہیں باہر والے بہت امیر ہوتے ہیں۔ اس نے کرب سے سوچا۔

سامنے ہوٹل سے آتی اشتہا انگیز خوشبو سے اسے ایک دم بھوک کا احساس ہوا۔ اس کی جیب میں دو ڈالر تھے۔ روٹی لیتا تو سالن کہاں سے آتا؟ ابھی سارے پیسے خرچ ہو جاتے تو رات کو کہاں سے کھاتا؟

اس کی نظر سامنے فریزر میں موجود گنڈیریوں (گنّے کے چھیلے ہوئے ٹکڑے) پر پڑی۔ ایک اُداس سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر آئی۔ "یہ ایک پیکٹ گنڈیریوں کا دینا بھائی۔" اس کی شستہ اردو دیکھ کر ہوٹل کا مالک بے اختیار اس کی جانب آیا۔ "فرام پاکستان؟" اس نے کانپتے ہونٹوں سے الفاظ ادا کیے۔

"جی پاکستان سے ہوں۔" یہ سنتے ہی ہوٹل کا مالک اس سے چمٹ گیا۔ وہ شکیل سے جاندار طریقے سے گلے ملا۔

ایک بار۔۔۔ دو بار۔۔۔ تین بار۔ "کیا ہوا آپ کو؟" شکیل نے گھبرا کر پوچھا۔

"مجھے پاکستان بہت یاد آتا ہے۔ برسوں سے یہاں ہوں۔ جب بھی جانے کا سوچتا ہوں کوئی نہ کوئی مسئلہ نکل آتا ہے۔ بس تمہیں دیکھ کر خود پر قابو نہ رہا۔ مجھے معاف کرنا۔" اس نے بھیگی آواز میں کہا۔

"نہیں کوئی بات نہیں۔" وہ کتنی دیر اس کے پاس کھڑا پاکستان کی باتیں کرتا رہا۔ بارہ دری سے درہ خیبر تک' سڑکوں سے پہاڑوں تک' لاہور کی نہاری سے لے کر خان پور کے پیڑوں تک انوں نے ہر چیز کے بارے میں گفتگو کی۔ کھانا ہوٹل کے مالک نے اسے اپنی طرف سے کھلایا اور گنڈیروں کا پیکٹ بطور تحفہ دیا۔ یہ محبت' جذبات اور بے ریا خلوص صرف اس مٹی کا دیا ہوا تھا' جسے وہ جھٹک آیا تھا۔

گنڈیریاں چوستے وہ سڑک کنارے چل رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر اپنے ہاتھ پر پڑی جہاں عرصہ پہلے جلنے کا نشان اب ثبت ہو چکا تھا۔ اسے پتا ہی نہ چلا کب پیکٹ اس کے ہاتھ سے گرا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ راہ چلتے لوگوں نے اسے حیران نظروں سے دیکھا اور پاس سے گزر گئے۔ کیا پاکستان میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا؟ کچھ دیر بعد ایک سپاہی اس کے پاس آیا۔ اس سے پہلے وہ کچھ بولتا شکیل نے پیکٹ اٹھایا۔ جیب میں رکھے دو ڈالر جرمانے کے طور پر اسے تھمائے۔

"میں جانتا ہوں تم صرف اپنا فرض نبھا رہے ہو۔ قصور تمہارا نہیں' اس غریب معاشرے کا ہے' جس نے تمہارے اندر سے محبت ختم کر دی ہے' مگر ہم تم لوگوں جیسے نہیں ہیں۔ ہم پاکستانی ہیں۔ مٹی سے محبت کرنے والے' اپنوں کے لیے جان دینے والے' مظلوموں پہ رحم کرنے والے اور دشمن کا سینہ نوچ کھانے والے۔ ہم تم لوگوں کی طرح راہ چلتے غریب آدمی پر تشدّد نہیں کرتے۔ نہ ہی کسی غریب وارڈ بوائے پہ چوری کا الزام لگا کر جیل پہنچا دیتے ہیں اور نہ ہی تم لوگوں کی طرح ایک مالک مکان کرایہ نہ دینے پر دیارِ غیر سے آئے مسافر کو مار پیٹ کر گلی میں پھینک دیتا ہے اور اس کے سامان پر قبضہ کر لیتا ہے اور نہ ہی ہم تم لوگوں کی طرح کسی غریب کی جیب کاٹ کر لے جاتے ہیں' مگر میں تمہیں یہ سب کیوں بتا رہا ہوں؟ تم تو اپنا فرض نبھا رہے ہو۔ میں تمہیں کیوں بتا رہا ہوں۔ تمہیں کیا پتا ان باتوں کا۔ تمہیں کیا پتا جب وطن کی محبت سینے میں پھوٹتی ہے تو پردیس میں رہنے والے ہر پل کیسی آگ میں جھلستے ہیں۔ تمہیں کیا پتا۔" وہ آنسو صاف کرتا واپس ہوٹل کی طرف چل دیا۔

***

معدے حلوائی نے گرما گرم پوریاں' جلیبیاں اور حلوہ تیار کیا۔

"حلوہ پوری ملے گی چاچا؟" اس آواز پہ میدا حلوائی ساکت ہو گیا۔ دھیرے سے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سامنے ہی وہ آنکھوں میں آنسو اور ہاتھوں میں بیگ لیے کھڑا تھا۔ "شکیل یہ تو ہے ناں؟" اس نے بیگ رکھا اور چاچا کے گلے لگ کر رو دیا۔ "میں لوٹ آیا ہوں چاچا۔ ہم کیوں جائیں اپنے ملک کو چھوڑ کر۔ ہم سونے کے بجائے خاک کا انتخاب کیوں کریں۔ ہمارے لیے ہمارے ملک سے بڑھ کر اور کیا ہے چاچا؟" "او میرا شیر' میرے سینے وِچ ٹھنڈ پے گئی او!" چاچا نے اس کا ماتھا چوما۔

"چاچا! اس تحفے کے لیے بہت شکریہ۔ یہ نشان مجھے میرے وطن میں واپس لے آیا۔" "او میرا شیر پُتر! چل اب جلدی سے گھر جا کر اپنے ماں باپ سے مل۔ منہ ہاتھ دھو۔ میں تیرے لیے حلوہ پوری بھجواتا ہوں۔"

وہ وہاں سے جانے لگا کہ اس کی نظر میز پر دھرے اخبار پر پڑی' جہاں فوج میں بھرتیوں کا اشتہار دیا گیا تھا۔ اشتہار پڑھ کر اس کے چہرے پر جاندار مسکراہٹ آ گئی۔

پیارے اللہ جی!

جل جلالہ

مہوش اسد

آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں، پڑھنا دوبھر ہوا تو اس نے نگاہ اٹھا کر دیوار پہ لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ "اووو... بارہ بج گئے، پتا ہی نہیں چلا، صبح وقت پہ آنکھ کیسے کھلے گی۔" پریشانی کے عالم میں جلدی جلدی کتابیں سمیٹ کر ایک طرف رکھیں اور بستر کی طرف بڑھ گئی۔

"پیارے اللہ میاں! آپ تو جانتے ہی ہیں، صبح میرا پیپر ہے، مجھے صبح فجر کے وقت اٹھنا ہے، نماز پڑھ کر دعا کرنی ہے اور تھوڑی دہرائی بھی کرنی ہے۔ امی جان گھر پہ ہوتیں تو پریشانی کی کوئی بات نہ تھی۔ وہ نماز کی عادی ہیں اور وقت پہ اٹھ جاتی ہیں۔ مجھے بھی اٹھاتی ہیں۔ اب چوں کہ امی گھر پہ نہیں ہیں، یہ کام آپ نے کرنا ہے اور ہر صورت کرنا ہے۔ اگر صبح وقت پر نہ اٹھی تو پیپر اچھا نہیں ہو گا۔ پلیز.... پلیز.... پیارے اللہ جی مجھے اٹھا دیجیے گا۔" مومنہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور پرسکون ہو کر سو گئی۔

***

مومنہ کی خالہ بیمار تھیں، وہ ہسپتال داخل ہوئیں تو اس کی امی دو دن کے لیے اپنی بہن کے پاس چلی گئیں۔ وہ مومنہ کو اکیلا چھوڑ کر جانا تو نہیں چاہتی تھیں مگر اس کے ابو نے سمجھایا کہ مومنہ اکیلی نہیں ہے، میں بھی ہوں اور برابر والے گھر میں اس کے چچا چچی بھی رہتے ہیں۔ میری غیر موجودگی میں وہ بھی اس کا خیال رکھیں گے۔ سو تم بے فکر ہو کر جاؤ

اس کی امی نماز کی پابند تھیں، خود بھی پڑھتی تھیں اور اسے بھی پڑھاتی تھیں، اگرچہ اس کے لیے انہیں خاصی محنت کرنا پڑتی تھی۔ اسے جگانے کے لیے انہیں بہت وقت لگانا پڑتا تھا۔ اتنی محنت اس کی امی ہی کر سکتی تھیں، یہ کام اس کے ابو یا چچا چچی کے بس کا نہ تھا۔

***

مومنہ حسب عادت گہری نیند سو رہی تھی کہ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے کان میں اذان دے رہا ہے... اذان کی آواز خاصی بلند اور صاف تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ گھڑی پہ نگاہ ڈالی تو نماز فجر کا وقت ہو چلا تھا، وہ بہت حیران ہوئی کہ آج اس کی خود بخود آنکھ کیسے کھل گئی اور وہ کون تھا جو اس کے کان میں اذان دے رہا تھا۔ تب اسے یاد آیا کہ وہ اپنے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے کر سوئی تھی کہ وہ اسے وقت پہ جگا دیں گے۔ "بہت شکریہ پیارے اللہ جی!"

وہ رب کا شکر ادا کر کے خوشی خوشی بستر سے نکلی اور واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ وضو کیا اور جائے نماز پہ آ کھڑی ہوئی۔ فجر کی نماز ادا کر کے اپنے پیپر کے لیے خاص دعا کی، ابھی اسکول کے لیے تیار ہونے میں کافی وقت تھا، سو وہ پڑھنے بیٹھ گئی۔ اہم سوالات کی دہرائی کی، اس نے محسوس کیا کہ اس وقت دہرائے جانے والے سوال اس کے دماغ میں نقش ہو کر رہ گئے ہیں۔ وقت مقررہ پہ وہ اسکول کے لیے تیار ہو گئی۔ چچی کے گھر جا کر دوسرے بچوں کے ساتھ ناشتا کیا اور اسکول کے لیے روانہ ہو گئی۔ اس کا پیپر بہت اچھا ہوا، وہ بہت خوش تھی۔

اس کی امی دو دن کے لیے گئی تھیں، بہن کی طبیعت کے پیش نظر انہیں چار پانچ دن رکنا پڑ گیا۔ مومنہ کا معمول بن گیا وہ اللہ تعالیٰ سے وعدہ لے کر سوتی اور پھر حسب وعدہ اللہ تعالیٰ اسے جگا دیتے۔ وہ حسب معمول صبح نماز کے بعد کچھ دیر پیپر کی تیاری کرتی اور پھر ناشتا کر کے اسکول چلی جاتی۔ پیپرز بھی بہت اچھے ہو رہے تھے۔ ایک دن اسکول سے واپس آئی تو اس کی امی واپس آ چکی تھیں وہ خوشی سے نہال ہو کر ان سے لپٹ گئی، امی نے بھی اسے بہت پیار کیا۔

"مومنہ بیٹا! اٹھ جاؤ.... نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے" امی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو ٹھٹھک گئیں، انہیں اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ مومنہ جائے نماز پہ بیٹھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہی تھی۔ جب تک وہ دعا مانگتی رہی اس کی امی بیڈ پہ بیٹھ کر اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتی رہیں۔ "بیٹا تمہیں کس نے جگایا؟" جیسے ہی وہ دعا سے فارغ ہوئی، امی نے حیرت سے پوچھا۔

"اللہ تعالیٰ نے..." وہ مسکراتی ہوئی اٹھی، جائے نماز تہ کر کے اس کی جگہ رکھی اور اپنی امی کے قریب آ بیٹھی۔

"امی! آپ کے جانے کے بعد میں بہت پریشان تھی کہ نماز کے لیے کیسے اٹھوں گی، مجھے جگانا ایک مشقت طلب کام ہے نا! بھلا اتنی مشکل ذمے داری کون اپنے سر لے گا۔ میرا صبح سویرے اٹھنا بھی بہت ضروری تھا، نماز پڑھ کر اپنے پیپر کے لیے دعا کرنا چاہتی تھی اور کچھ دہرائی بھی کرنی ہوتی تھی، میں نے بہت سوچا.... مجھے صرف ایک ہی حل نظر آیا، میں نے پیارے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا کہ وہ مجھے جگائیں گے۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اللہ پاک مجھے روزانہ جگا دیتے ہیں اور آپ کو پتا ہے میں صبح پڑھتی بھی ہوں، مشکل سوالات دہرا لیتی ہوں اور اس وقت دہرائے گئے سوال پکے یاد ہو جاتے ہیں" بتاتے ہوئے مومنہ کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور لب مسکرا رہے تھے۔ اس کی امی نے فرط محبت سے اسے خود سے لپٹا لیا اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا۔

"بیٹا تم نے بالکل ٹھیک کہا اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ہمیشہ پورا کرتا ہے اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی نیت کے مطابق نوازتا ہے۔ تمہاری نیت اچھی اور صاف تھی تبھی اللہ تعالیٰ تمہیں وقت مقررہ پہ جگا دیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تمہیں اس بات کا خود ہی احساس ہو گیا کہ دن کا آغاز نماز سے کیا جائے تو برکت بھی ہوتی ہے اور دن بھر کے کام ہمارے لیے آسان بھی کر دیے جاتے ہیں۔"

"جی پیاری امی جان مجھے خوب سمجھ آ چکی ہے یہ بات...!" مومنہ مسکراتے ہوئے اپنی امی سے لپٹ گئی۔

ننھا اور ننھی

بنت ایوب مریم

بقر عید سے قبل ہر طرف مویشی منڈی سج جاتی ہے۔ ہر گلی میں بکرے کی مَیں مَیں گونجتی ہے۔ شام کو اکثر بچے اپنے قربانی کے جانور کو گھمانے کے لیے باہر نکلتے ہیں۔ چاند رات کو بکروں سے اظہارِ محبت کے لیے بچیاں جانور کی پیٹھ پر عید مبارک لکھتیں اور مہندی سے گلکاریاں بناتی ہیں۔ بچپن میں ہمیں بھی بکروں کی جلد آمد کا بے حد اشتیاق رہتا تھا' لیکن ہمارے گھر بکروں کی آمد آخری رات ہی واقع ہوتی۔ تایا ابو اور چاچو کے بکرے بھی ہمارے گھر باندھے جاتے اور عید کی صبح بکروں کی مَیں مَیں کے الارم سے ہم بیدار ہوتے۔ نمازِ فجر ادا کرتے اور نماز کے بعد ہم بہن بھائی بکروں کا دیدار کرتے۔ بکروں کو چارہ ڈالا اور پانی پلایا جاتا۔ اس مختصر سے وقت میں بکروں سے انسیت ہو جاتی اور پھر انھیں سفرِ آخرت کے لیے اس اُمید پر روانہ کر دیا جاتا کہ جنّت میں ہی ملاقات ہو گی۔

دو سال قبل ابو جان نے بکریاں پالنے کا فیصلہ کیا اور ہمارے گھر کچھ بکریوں اور بکرے کی آمد ہوئی۔ چھوٹی بہنیں فاطمہ اور عائشہ بکروں سے خوب لگاؤ رکھتی ہیں۔ ان کے ناز نخرے اٹھاتیں اور ہر چیز کا خیال رکھتی ہیں۔ دوکان سے پاپڑ یا بسکٹ لا کر کھائیں تو ان کو حصّہ دینا ضروری سمجھتی ہیں۔ ہم گھر سے دور کہیں جائیں تو واپسی پر بہنیں بکریوں اور ان کے ننّھے بچوں کے قصیدے پڑھتی اور ان کی شرارتیں اس تفصیل سے بیان کرتی ہیں کہ کئی بار ہم خود اُکتا جاتے ہیں اور کبھی تو ہنسی بھی آتی ہے۔ بکریوں کے شرارتی میمنے اور ہماری دل چسپ چھوٹی بہنیں' سب مل کر گھر میں خوب رونق لگائے رکھتے ہیں۔ اس وقت ہمارے گھر میں پانچ میمنے ہیں۔ میری بہنوں نے اپنی طرح ہی ان کے دل چسپ نام رکھے ہوئے ہیں۔ ٹائیگر' مٹھو' ننّھا' راجو اور سویٹ۔ تمام میمنے اپنی شخصیت میں دل چسپ کردار کے مالک ہیں۔ ٹائیگر اور مٹھو آپس میں بھائی ہیں اور ہمیشہ ایک ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ٹائیگر اور مٹھو اگر ایک ساتھ بیٹھتے ہیں تو ننّھا آ کر ان کے درمیان میں بیٹھ جاتا ہے۔ پہلے ننّھا جان بوجھ کر ٹائیگر اور مٹھو کے درمیان بیٹھتا تھا کہ یہ دونوں بھائی الگ ہو جائیں' لیکن اب ننّھے کی دونوں بھائیوں سے دوستی ہو چکی ہے اور تینوں ایک ساتھ ہی دکھائی دیتے ہیں۔ سویٹ انتہائی دیدہ زیب شرارتیں کرنے والا میمنہ ہے۔ سارا دن چھلانگیں مارتا اور دوسرے میمنوں کی پیٹھ پر پھلانگتا رہتا ہے۔ بہنیں اگر جانوروں کو پھلوں کے چھلکے ڈالنے جائیں تو سویٹ اگلی دونوں ٹانگیں اٹھا کر بہنوں کا استقبال کرتا اور اپنی ٹانگیں ان کے کندھے پہ رکھ کر انھیں گرانے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ راجو انتہائی بھولا اور معصوم میمنہ ہے جو کہ اکثر اپنی اماں کے ہم راہ ہی پایا جاتا ہے۔ ویسے تو تمام میمنے ماشاء اللہ ایک سال کے ہو چکے ہیں' لیکن چوں کہ دوسری بکریوں سے چھوٹے اور ہمارے سامنے پلے بڑھے ہیں تو ابھی بھی میمنے ہی لگتے ہیں اور ہمیں ننّھے میمنوں کی طرح ہی پیارے ہیں۔

ہمارے گھر بکریوں کی آمد ہوئی تو دیسی بکریوں کے ہم راہ ایک ٹیڈی بکری تھی جو کہ دیسی بکریوں سے چھوٹی نظر آتی ہے۔ اس کے قد کاٹھ اور جسامت میں چھوٹی ہونے کے باعث بہنوں نے اس کا نام ننّھی رکھا۔ میری کہانی کا مرکزی کردار ننّھا' ننّھی کا ہی فرزندِ عظیم ہے جو کہ نرم و ملائم سفید کھال اور دل کش آنکھوں والا خوب رو نوجوان ہے۔ ننّھی' سیاہ کھال پر سفید ڈبیوں والی پیاری سی بکری تھی۔ اس کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تو بہنوں نے جھٹ سے ننّھی کے بیٹے کا نام ننّھا رکھ دیا۔

جانوروں کو چارہ ڈالا جاتا تو ننّھی ادائے نازاں سے میمنوں کے سامنے بیٹھ جاتی اور یوں لگتا کہ سب میمنوں کو زیرِ نگرانی چارہ کھلا رہی ہے۔ ننّھی' ننّھے کی ماں ضرور تھی' لیکن باقی میمنوں کے لیے بڑی بہن کا کردار نبھاتی۔ بڑی بہن تو ماں جائی ہوتی ہے' سب کا خیال کرتی' لیکن اگر ننّھے کے ساتھ کوئی بیٹھ جاتا تو اولاد کے ساتھ خود بیٹھنے پر کوئی سمجھوتا نہ کرتی اور سینگ مار کر اٹھا دیتی۔ ماں اور بیٹے میں اس درجہ محبت تھی کہ ایک دوسرے سے اوجھل ہو جاتے تو چیخنا شروع کر دیتے۔ بہنیں بھاگم بھاگ جاتیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے پاس چھوڑ کر آتیں۔ ننّھا پانی پینے جاتا تو ننّھی کی ممتا بے چین ہو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی۔ ہم پریشان ہو جاتے کہ نہ جانے ننّھی کو کس تکلیف کا سامنا ہے۔ جیسے ہی ننّھے کو لا کر اس کے پاس بٹھاتے تو ننّھی کی ممتا کو قرار آ جاتا۔ اس کے بعد اکثر ننّھی' ننّھے پر اپنی ایک ٹانگ رکھ کر بیٹھتی کہ ننّھا کہیں جانے نہ پائے۔ ماں کی محبت تو ماں کی محبت ہے' لیکن بیٹے کی محبت کا بھی یہی حال تھا کہ ماں کے آنکھوں سے اوجھل ہونے پر دروازے کے قریب آ کر بیٹھ جاتا اور ہم سے ماں کو ڈھونڈنے کی فریاد کرتا۔

عیدالاضحیٰ قریب آ رہی تھی تو ابو نے اپنی قربانی کے لیے ننّھی کو قربان کرنے کا ذکر کیا' اس پر ہمارے دل دہل کر رہ گئے۔ امی مخاطب ہوئیں: ہائے نہ! آپ کوئی اور کر لیجیے۔ بے چارے ننھے کا کیا ہو گا؟

ہم ننّھی کی قربانی کا سوچتے تو سوچ کر ہی کلیجہ منہ کو آ جاتا اور ننّھے کو دیکھ دیکھ کر اس کے جلد ممتا سے محروم ہونے کا خیال آتا۔ بالآخر عید کا دن آ گیا اور یہی ننّھی کا آخری دن ثابت ہوا۔ ننّھی کو بمشکل ننّھے کی آنکھوں سے بچا کر نیچے لایا گیا اور چند لمحوں میں قربان کر دیا گیا۔ قربانی تو سب سے محبوب چیز کی ہوتی ہے نا! یوں ہم نے سب سے عزیز اور پیاری بکری کو سنّت ابراہیمی کی یاد میں قربان کر کے توشہ آخرت کے لیے روانہ کر دیا اور وہ چیخ و پکار اور ننّھے کی فریاد جو ننّھا اپنی ماں کی دوری پر فوراً مچا دیتا تھا' سماعت سے نہ ٹکرائی اور اللہ تعالیٰ نے ننّھے کی ماں کے اپنی بارگاہ میں آنے پر اسے صبر جمیل سے نواز دیا۔

قربانی والی بقرعید

نبیلہ شہزاد

اسلم اپنے دونوں بیٹوں' دس سالہ شکیل اور بارہ سالہ فیصل کے ساتھ نمازِ عید پڑھ کر سیدھا اپنے گھر ہی آیا۔ شکیل اور فیصل نے راستے میں متعدد بار کھڑے ہو کر لوگوں کے گھروں سے باہر بندھے دنبے' بھیڑیں اور بچھڑے دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ دونوں بھائی آپس میں ان قربانی کے جانوروں کی قیمتوں کا تعیّن بھی کرتے اور ان کے حسن و جمال کا مقابلہ بھی کرتے۔

اسلم کو یہ سب کچھ ایک آنکھ نہ بھایا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بیٹے ان جانوروں میں مگن ہوں۔ وہ انہیں جلد از جلد گھر میں لے کر آنا چاہتا تھا۔ اسے خوف تھا کہیں اس کے بیٹے بھی قربانی کے جانور کا مطالبہ نہ کر دیں۔

اسلم ایک چھوٹے سے کارخانے میں سولہ ہزار ماہانہ تنخواہ پر ملازم تھا۔ بیوی کفایت شعار سگھڑ اور سلائی کڑھائی جاننے والی تھی' اس لیے گھر کا گزر بسر کسی نہ کسی طرح ہو جاتا تھا۔ مشکلات و مصیبت کا آتش فشاں تو اس وقت پھٹا جب کرونا وائرس کی وجہ سے لاک ڈاؤن ہوا۔ چھوٹے بڑے تمام کاروباری مراکز بند ہو گئے۔ بڑی بڑی ملوں اور کارخانوں کے مالکوں نے اپنے ملازموں کو کچھ نہ کچھ دیا' لیکن چھوٹے کارخانے جو خود شدید خسارے میں تھے' وہ اپنے ملازمین کو کیا دیتے۔ تین چار ماہ کے لاک ڈاؤن میں حکومت فی خاندان کے حساب سے بارہ ہزار روپے دے کر فارغ ہو گئی' وہ بھی کہیں کہیں ہی کسی کو ملا۔ پانچ بچوں کے باپ اسلم کا گھر میں فارغ بیٹھنے کا مطلب فاقوں کو گلے لگانا تھا۔ خاتونِ خانہ رقیہ جو پہلے بھی سلائی کڑھائی کا کام کر کے گھر کی کفالت میں شوہر کا ساتھ دیتی تھی۔ اب بھی سلائی کے لیے کئی گھروں میں پیغام بھجوایا' لیکن کرونا کے خوف سے لوگوں کا گھروں سے نکلنا محال تھا اور شہر دکانیں بند۔ وہ خریدتے تو سلواتے ناں! کچھ کہیں راشن کے تقسیم کی خبر بھی ملتی' مگر سفید پوش اسلم کے لیے یہ خبر بے معنی ہوتی۔ لائن میں لگ کر ہاتھ پھیلانا' اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان سارے حالات میں جسم و روح کا رشتہ باقی رکھنے کے لیے ان کے پاس ایک ہی حل تھا اور وہ تھا رقیہ کی سونے کی بالیاں۔۔۔۔ رقیہ نے اپنے کانوں سے بالیاں اتاریں اور بیچنے کے لیے اسلم کے ہاتھ پر رکھ دیں۔ اسلم نہ چاہتے ہوئے بھی بیچنے کے لیے چلا گیا اور ان روپوں سے لاک ڈاؤن کی مدّت میں کھینچ تان کر دال روٹی چل گئی۔ عید الفطر کے بعد کارخانہ کھل گیا اور رقیہ کے پاس بھی سلائی کا تھوڑا بہت کام آنا شروع ہو گیا۔ یوں دونوں میاں بیوی کی سخت جدوجُہد سے بقرہ عید تک سارے گھر والوں کے لیے سستے والے کپڑے کا ایک ایک جوڑا بنانے میں کام یاب ہو گئے۔ وہ اس بار گرمیوں میں کپڑے خرید ہی نہ سکے تھے اور پچھلے سال والے بھی تقریباً ناکارہ ہو چکے تھے۔ بچے نئے کپڑے ملنے پر خوش تھے اور دبے دبے الفاظ میں قربانی کے جانور کی خواہش کا بھی اظہار کرتے' لیکن اسلم نے اگلے سال لینے کی بات پر ٹالا۔

اسلم اور بیٹوں کے گھر آنے سے پہلے ہی رقیہ نے سویاں ابال کر رکھ لی تھیں۔ تینوں بچیاں بھی نئے کپڑے پہن کر خوشی خوشی گھر میں گھوم رہی تھیں۔ رقیہ سب کو ابلی سویوں پر دودھ چینی ڈال کر پیش کر رہی تھی۔ سویاں کھاتے ہوئے لڑکوں کے دھیان بکروں پر ہی مرکوز تھے۔ مَیں ۔۔۔۔ مَیں ۔۔۔۔ اور بھاں ۔۔۔ بھاں ۔۔۔۔ کی آوازیں انہیں مسحور کر رہی تھیں۔

سویاں کھائے چار گھنٹے گزر چکے تھے' بچے اب بھوک محسوس کر رہے تھے سچی بات ہے کہ رقیہ کا اپنا دل بھی چاہ رہا تھا بھنی ہوئی کلیجی یا پھر قورمے والے سالن کے ساتھ پیٹ بھر کر روٹی کھائے۔

امی ابھی تک کسی نے ہمارے گھر گوشت نہیں بھیجا؟۔۔۔ امی میرا بوٹی کھانے کو دل چاہ رہا ہے۔ ننھی ثمینہ نے للچائی سی آواز میں ماں کے سامنے دل کی چاہ کا اظہار کیا۔

بیٹی کی معصوم سی چاہ سن کر رقیہ کا دل بیٹھ گیا' لیکن اپنی اندرونی کیفیت کو پسِ پشت ڈال کر ظاہری طور پر مضبوط لہجہ اپنا کر کہنے لگی: چھوڑو بوٹیوں کو یہ دیکھو۔۔۔ میں کتنے مزے کے دہی بڑے بنا رہی ہوں' چلو سب سے بولو کہ ہاتھ دھو کر بیٹھیں۔ میں ابھی لے کر آ رہی ہوں۔

رقیہ نے بچوں کے سامنے دہی بڑے کا ڈونگا رکھا اور سب بچوں کو پیالوں میں ڈال کر دینے لگی۔ شکیل کہنے لگا: امی بقرہ عید تو گوشت والی عید ہوتی ہے اور آپ ہمیں یہ کھلا رہی ہیں۔

امی نے شکیل کی بات سنی ان سنی کر دی' لیکن فیصل سے زیادہ گوشت کھانے کی چاہ کس کی تھی؟ جسے لاک ڈاؤن کے دوران تیز بخار ہو گیا۔ ہسپتالوں کے آؤٹ ڈور تو بند پڑے تھے۔ رقیہ اور اسلم اسے قریبی کلینک میں لے گئے۔ ڈاکٹر نے دور بیٹھے ہی کرونا کے شک کا اظہار کر دیا۔ ابو امی فیصل کو گھر لے آئے' تازہ پانی کی پٹیوں کے ساتھ ساتھ پیناڈول کھلانی شروع کر دی اور ہر گھنٹے کے بعد نمک ملے نیم گرم پانی کے غرارے۔۔۔ گلا تو دو دن بعد ہی ٹھیک ہو گیا' لیکن بخار بدستور کئی دن جاری رہا اور نیفا سی جان پر ڈھیروں نقاہت چھوڑ گیا۔ اس دوران فیصل نے شوربے والے گوشت کی خواہش کی۔ بکرے کا گوشت تو دستِ خرید سے باہر' لیکن اسلم برائلر مرغ کا آدھا کلو گوشت لے آیا اور بخار سے پیدا ہونے والی منہ کی کرواہٹ کا کچھ ذائقہ تبدیل ہوا۔

عصر کا وقت ہو گیا' لیکن کسی طرف سے گوشت نہ آیا۔ ہاں البتہ ارد گرد مختلف جگہوں پر گوشت بانٹا ضرور گیا تھا۔ ہاتھ پھیلانے والوں نے تو خوب جمع بھی کر لیا۔ اسلم جیسے خوددار بندے کے لیے یہ کیسی آزمائش تھی؟ جسے اپنے بچوں کے چہروں پر بقرہ عید کی خوشیاں منانے کی تڑپ نظر آ رہی تھی۔ چلو رقیہ پیاز کا تڑکا لگا کر بچوں کے لیے چاول بنا لو مغرب ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہے۔ اتنے میں لوہے کا بنا بیرونی دروازہ زور زور سے کھٹکا۔ شکیل نے تیزی سے دروازہ کھولا اور خوشی خوشی گوشت کا پیکٹ پکڑے ماں کی طرف دوڑا۔ امی گوشت آ گیا۔۔۔ امی گوشت آ گیا۔۔۔۔ ساتھ والے حاجی صاحب کے گھر سے گوشت آ گیا ہے۔ رقیہ گوشت پکڑے اسلم کی طرف مڑی اور کہنے لگی۔۔۔ اسلم یہ کیا؟ بڑے گوشت کی تین بڑی موٹی ہڈیاں' دو چربی کے ٹکرے اور تین بوٹیاں۔۔۔؟؟ کوئی بات نہیں فیصل کی امی! لوگوں نے دنبوں بکروں کی قربانی کی ہے اور ہم اپنی گوشت کھانے کی چاہ کی قربانی دے دیتے ہیں۔ چلو اس کا شوربہ بناؤ۔ ہم چاولوں پر ڈال کر کھائیں گے!!!

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

پہلی قربانی

محمد احمد رضا انصاری

"جمیل بھائی جانور تو ماشاء اللہ بہت اچھا لائے آپ اس سال بھی۔۔۔" ضمیر صاحب گھر سے نکلے تو گلی میں بڑے فخر کے ساتھ گائے کی رسی پکڑے جمیل بھائی آتے نظر آئے تھے۔ گائے فربہ اور معصوم سی تھی جو سر جھکائے ان کے پیچھے پیچھے چلی آ رہی تھی۔ ضمیر صاحب نے گائے دیکھتے ہی تعریف کی۔

"پیسے بھی بہت اچھے لے کر گیا تھا مویشی منڈی ضمیر بھائی۔۔۔ آپ کو پتا تو ہے جتنی موٹی رقم مٹھی میں ہو گی اتنا ہی اچھا جانور ملے گا۔" جمیل بھائی تعریف سنتے ہی مزید پھول گئے تھے۔

"بجا فرمایا۔۔۔ لیکن غریب آدمی آج کے دور میں کہاں جائے؟ اتنی مہنگائی ہے۔۔۔ جانوروں کے ریٹ آسمان چھو رہے۔۔۔ ہمارے جیسے لوگ تو ہر سال بس دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔۔ قربانی کرنے کی ہمت ہی نہیں ہو پاتی۔" ضمیر صاحب نے سرد آہ بھری، جبکہ جمیل بھائی براسا منہ بنا کر آگے بڑھ گئے۔۔۔ ان کے گھر کے آگے بچوں کا میلا سا لگ گیا تھا اور گلی میں یہی شور تھا کہ "انکل جمیل گائے خرید لائے۔۔۔"

"بڑا غرور چڑھ جاتا ہے انھیں، جب بھی قربانی کا جانور لاتے ہیں۔ اب دس دن تک پورے شہر کو دکھاتے پھریں گے اور ساتھ جانور کی قیمت بھی بڑھ چڑھ کر بتائیں گے ہونہہ۔۔۔" ضمیر صاحب ایک ہنکارا سا بھرتے ہوئے دوسری طرف چل دیے تھے۔ انھیں جمیل بھائی کی ریاکاری ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

***

"بچو! آ جاؤ کھانا کھا لو۔۔۔" بیگم ضمیر نے تیسری بار آواز لگائی تھی، لیکن مجال ہے کہ بچوں کے سروں پر کوئی جوں تک رینگی ہو۔ "بیگم! یہ بچوں کو کیا ہوا۔ کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟ آج تو ان کی پسند کی بریانی بنی ہے۔ موڈ تو ٹھیک ہے ناں ان کا؟" ضمیر صاحب کچھ حیران ہوئے۔۔۔

"ارے چھوڑیں انھیں، بعد میں کھا لیں گے بچے۔ آپ کھانا شروع کریں۔" بیگم ضمیر نے بات ٹال دی اور ڈش سے چاول ان کی پلیٹ میں ڈالنے لگیں۔

"نہ بھئی! پہلے کب بچوں کے بغیر رات کا کھانا کھایا ہم نے۔ میں خود دیکھتا ہوں کہاں مصروف ہیں تینوں۔" وہ میز سے اٹھ کر کمرے میں چلے آئے۔ واسق، نمرہ اور عزیر منہ پھلائے بیٹھے دکھائی دیے۔

"کیا ہوا؟ یہ کھانے سے کیسی ناراضی بچو۔۔!" انولس نے کہا۔ "بھوک نہیں بابا! ہم نہیں کھائیں گے۔" تینوں اسپاٹ انداز میں بولے۔

"بابا! بس فیصلہ ہو گیا۔۔۔" کچھ لمحوں بعد وہ ایک ساتھ زور سے بولے تھے۔

"کیسا فیصلہ؟" وہ چونکے۔

"اس سال ہم بھی قربانی کریں گے۔ ہم اتنے بڑے ہو گئے، لیکن ہوش سنبھالنے سے اب تک کبھی ہمارے گھر قربانی نہیں کی گئی۔ ہماری گلی کے بچے اب تو مذاق اڑانے لگ گئے ہیں۔ کنجوس مکھی چوس اور پتا نہیں کیا کیا کہتے ہیں۔" سب سے بڑا بیٹا واسق جلے کٹے لہجے میں بولتا چلا گیا۔ ساتھ بیٹھے دونوں نے بھی سر ہلا ہلا کر بھائی کی باتوں کی تائید کی۔

"بیٹا! یہ تو استطاعت ہونے کی بات ہے، جن کے پاس ڈھیروں پیسا ہے، مال و دولت ہے، ان پر واجب ہے۔ ہم لوگ کیسے کر سکتے ہیں؟ جانور کوئی مفت تھوڑی آ جاتا ہے۔ ڈھیروں روپے جیب میں ہوں تو ہی منڈی کا راستہ دیکھنا چاہیے۔" وہ بے چارگی سے گویا ہوئے۔

"ابو۔۔۔!!"

"کک۔۔ کیا ہوا۔۔!! کچھ غلط تھوڑی کہا میں نے۔" ضمیر صاحب گھبرا کر بولے۔

"ابو! ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ گھر اپنا ہے، وہ بھی اتنا بڑا اور ڈبل اسٹوری! ہم تینوں کے الگ الگ کمرے ہیں۔ اے سی فریج اور دیگر آسائشیں میسر ہیں۔ گاڑی موجود ہے۔ ایک اچھی نوکری ہے آپ کے پاس۔ آپ کا بینک بیلنس بھی اچھا ہے، پھر یہ غربت کہاں سے آ گئی۔ ہمیں نہیں یاد کبھی کسی چیز کی خواہش کی ہو اور وہ ہمیں نہ ملی ہو؟"

"بچو! تم نہیں سمجھو گے۔ وبا کے دن چل رہے ہیں ناں، آفس کبھی کھلتے ہیں کبھی نہیں۔ پتا نہیں کس وقت نوکری چلی جائے اور بنک میں رقم اس لیے محفوظ رکھی ہوئی ہے، تاکہ اگر خدانخواستہ پھر سے سخت لاک ڈاؤن لگ جائے تو ہم کم از کم گھر میں بند بھوکے تو نہیں مریں گے ناں۔۔۔!"

"قربانی کے جانور سے بات آپ لاک ڈاؤن تک لے گئے۔" نمرہ نے براسا منہ بنایا۔

"آپ قربانی کی نیت تو کریں، ہم لوگ صاحبِ استطاعت ہیں اور ہم پر قربانی واجب ہے۔ امی کے زیورات بھی ہیں بینک لاکر میں اور اس طرح ان پر بھی قربانی لازم ہے۔" بارہ سالہ عزیر نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"پتا نہیں اچانک تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ پہلے تو کبھی تم نے اس قسم کی باتیں نہیں کیں مجھ سے۔" ضمیر صاحب ہڑبڑا کر بولے۔

"وہ اس لیے کہ ہم نے جو رسائل اپنی چھٹیوں میں پڑھے، ان میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کہانیوں کی صورت بیان کی گئیں تھیں اور مزید ریسرچ ہم نے گوگل سے کی اور ہمیں افسوس ہے کہ ان باتوں سے عرصہ تک انجان رہے، ورنہ یہ باتیں تو ہر مسلمان کو یاد ہیں۔" واسق نے دھیمی آواز میں کہا۔ شاید وہ ندامت کا شکار تھا۔

"چلو وعدہ کرتا ہوں، اگلے سال ان شاء اللہ ہم بھی قربانی کریں گے۔" وہ راضی ہو گئے۔

"اگلے سال کیوں؟ ہم اسی سال کریں گے۔ گنجائش تو موجود ہے ناں!!" تینوں یک زبان چلّا گئے۔

"سوچتے ہیں کچھ، تم آ کر کھانا کھا لو۔ چاول ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" وہ اٹھ کر باہر نکل آئے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں بھی ایک دوسرے کے پیچھے چلتے میز تک پہنچ گئے تھے۔

"تھوڑی محنت اور کرنی پڑے گی۔" انھوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور کھانا کھانے لگے۔

***

ضمیر صاحب گھر والوں پر دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ ویسے تو یہ کوئی بری بات

نہیں، لیکن اپنوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کی خیر خبر رکھنے اور کسی پریشانی کی گھڑی میں دوسروں کی مدد کرنے سے وہ کوسوں دور بھاگتے تھے، یعنی حقوق العباد کا خیال انھیں چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ دین کے معاملے میں وہ کچھ کم فہم تھے۔ دنیا کے پیچھے بھاگتے بھاگتے وہ دور نکل آئے تھے۔

ان کے خاندان میں کم لوگ ہی قربانی وغیرہ کرتے تھے، جو چند ایک کرتے تو زیادہ گوشت سے باربی کیو کرتے اور اڑا جاتے اور جو بچ جاتا اسے فریزر میں محفوظ کر لیتے۔

ضمیر صاحب کا ضمیر کبھی قربانی کے لیے بیدار نہ ہو سکا تھا۔ ان کے محلے، خاندان، دوست احباب اور دفتر کے ساتھیوں کے گھروں سے اتنا گوشت آتا کہ وہ کھا کھا کر تھک جاتے، لیکن گوشت ختم ہونے کا نام تک نہ لیتا۔ اس صورتِ حال میں بھلا انھیں قربانی کرنے کا خیال بھلا کہاں سے آجاتا۔ ان کے نزدیک تو قربانی کرنا گھر گوشت جمع کرنے کے مترادف ہی تھا۔ جب گھر میں گوشت ویسے ہی جمع ہو جائے تو قربانی کرنے کا فائدہ۔؟

لیکن اس سال بچوں نے گھر میں قربانی کا جانور لانے کا تہیہ کر لیا تھا اور وہ کسی قیمت پر بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔ بچوں کی ضد بڑھی تو بیگم نے بھی بچوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ ضمیر صاحب کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ "اس سال ان کے پاس اضافی رقم نہیں، لہٰذا اگلے سال وہ یہ فریضہ ادا کریں گے۔"

"ابو! یہ کس نے گارنٹی دی کہ ہم لوگ اگلے سال تک ہوں گے بھی یا نہیں، جو حالات چل رہے ہیں آپ جانتے ہیں۔ وبا عروج پر ہے اور لوگ یوں اچانک مر رہے ہیں کہ یقین کرنا بھی چاہیں تو ہوتا نہیں۔" واسق نے رنجیدگی سے کہا۔

اس کے الفاظ تھے یا خنجر جو سیدھے سینے پر جا لگے تھے۔ پتا نہیں وہ کیسا پل تھا۔ ضمیر صاحب کو یوں لگا جیسے وہ ابھی ابھی نیند سے جاگے ہوں۔ آنکھوں کے آگے سے ایک نامعلوم سا پردہ سرکتا چلا گیا تھا۔

"آج بینک سے رقم نکالتا ہوں۔ تم تیاری کر لینا۔ کل ہم جانور لینے جائیں گے۔" انھوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئے۔ وہ اکیلے میں اپنا محاسبہ کرنا چاہتے تھے۔

"شکر الحمدللہ! ابو راضی تو ہوئے۔ ہمارے جیسے نہ جانے کتنے گھر ہوں گے جہاں یہی معاملہ ہوگا۔ کاش لوگ سمجھیں۔" نمرہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا تھا۔

اگلے روز تینوں بچے خوشی خوشی گاڑی میں سوار شہر سے باہر لگنے والی مویشی منڈی پہنچ گئے۔

ہر جانب قسم قسم کے جانور تھے۔ خوب رونق لگی تھی۔ جانوروں اور انسانوں کی آوازوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ حقیقی معنوں میں کھوا سے کھوا چھل رہا تھا۔ بچے ابو کے پیچھے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے مختلف جانور دیکھتے پھر رہے تھے۔

ایک چکر منڈی کا لگانے کے بعد انھوں نے بکرا خریدنے کا ارادہ کیا۔

اب وہ دوبارہ اس حصّے کی طرف چل دیے، جہاں بکرے ہی بکرے موجود تھے۔

ایک سفید اور کالے دھبّوں والا بکرا بچوں کو پہلی نظر میں اچھا لگا۔ ابو نے اس کے مالک سے قیمت پوچھی جسے سن کر وہ کانوں کو ہاتھ لگانے لگے۔

"بھئی! یہ نظر تو بکرا آرہا ہے۔ قیمت آپ نے بڑے جانور جتنی بتا دی۔" ابو نے حیران ہو کر کہا۔

"صاحب جی! پوری منڈی کا چکر لگا لیں، سب اتنا ہی ریٹ بتائیں گے آپ کو۔ ہم تو دور دراز شہروں سے اپنے جانور لے کر آئے ہوئے ہیں۔ آنے جانے کا کرایہ اور جانوروں کی خوراک پر جتنے پیسے خرچ ہوتے ہیں یہ ہمیں ہی پتا ہے۔"

"چلو بچو! کوئی اور دیکھتے ہیں۔" ابو چپ چاپ آگے بڑھ گئے۔" بچوں نے دکھی نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور ابو کے پیچھے چل دیے۔ گھومتے گھومتے انھیں آدھا دن گزر چکا تھا، جو بکرا انھیں پسند آتا ابو کو اس کی قیمت زیادہ لگتی، جو کم قیمت والا بکرا ابو خریدنا چاہتے، بچے فوراً اسے مسترد کر دیتے۔"

"ابو! ذرا اس کی حالت تو دیکھیں۔ نرا ہڈیوں کا ڈھانچا ہے۔ قربانی والا جانور فربہ ہونا کہ ایسا کم زور جو چلے تو لڑکھڑا جائے۔" ایک بکرا دیکھ کر واسق نے منہ بنا کر کہا تھا۔

آخر بچے زِچ آگئے ابو کی کنجوسی دیکھ کر۔

"لگتا ہے آپ ہمیں یہاں صرف گھمانے لائے ہیں، بکرا لینے نہیں" نمرہ چلتے چلتے تھک کر ایک جگہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اور کیا۔۔ صبح سے چل چل کر میری ٹانگوں میں درد ہو گیا ہے۔۔۔" عزیر بھی دھپ سے اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔

ابو کچھ سوچنے لگے۔۔۔ گھر سے وہ یوں تو زیادہ رقم ہی لائے تھے، لیکن چاہتے تھے قربانی کا جانور کم سے کم پیسوں میں مل جائے۔ پہلا موقع تھا۔ انھوں نے کب کوئی جانور لیا تھا۔ اب انھیں ڈر تھا کہیں وہ لوٹ نہ لیے جائیں۔ بکرا لیں پچاس ہزار کا اور بعد میں پتا چلے وہ تیس سے اوپر کا نہیں۔

تبھی انھیں محلے کے چند جان پہچان والے لوگ مل گئے۔ وہ بھی جانور خریدنے کی مہم پر نکلے ہوئے تھے اور صبح سے اب تک ان لوگوں کو بھی کوئی جانور پسند نہیں آیا تھا۔ ضمیر صاحب نے ان سے علیک سلیک کی اور اپنی پریشانی سے آگاہ کیا۔

"ارے کوئی بات نہیں انکل۔ ہم آپ کو مناسب قیمت میں بہت اچھا جانور دلوا دیں گے۔ آخر ہر سال کا یہی کام ہے۔ کوئی لوٹ کر تو دکھائے آپ کو۔" ایک لڑکا جوش سے بولا۔

بچے پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور آخر ایک کالا بکرا پسند کر لیا گیا۔ بھاؤ تاؤ میں بہت وقت صرف ہوا، لیکن خدا کا شکر کہ وہ اپنے مقصد میں کام یاب رہے تھے۔ محلے کے تینوں افراد نے بکرا اٹھا گاڑی کی ڈگی میں ڈالا اور ضمیر صاحب ان کا شکریہ ادا کر کے گھر کو چل پڑے۔ بچوں کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ وہ مسرت بھرے لہجے میں خوب باتیں کر رہے تھے جو موصوف بکرے کے بارے میں تھیں۔

گلی میں جب گاڑی رکی اور بکرے کو باہر نکالا گیا تو سب بچے جمع ہو گئے۔

ضمیر صاحب نے ایک دو بار بکرے کی قیمت زور زور سے محلے والوں کو بتانا چاہی، لیکن واسق نے فوراً ان کا ہاتھ دبا لیا۔

"ابو! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ دکھلاوے کے لیے تھوڑی لائے ہم قربانی کا جانور، یہ تو محض اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ بس اللہ اسے قبول فرمائے۔" ضمیر صاحب کو فوراً احساس ہو گیا کہ وہ خود جمیل بھائی جیسے لگ رہے تھے۔ استغفار کرتے ہوئے انھوں نے اپنی سوچ پر اللہ سے معافی مانگی اور اندر چلے آئے۔

روشو کا ٹائیگر

اہلیہ محمد فیصل

"ارے پتا چلا! روشو کا بکرا گم ہو گیا ہے۔"

"کیا واقعی! سچ میں؟؟ایسا کیسے ممکن ہے؟روشو تو اسے اپنے ساتھ لگائے رکھتا تھا۔ایسی کیسے غفلت ہو گئی؟" جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔۔روشو کا بکرا عید سے ایک ماہ پہلے سے ہی پورے محلے کا موضوع بنا ہوا تھا۔دراصل روشن عرف روشو کا بکرا قد کاٹھ ،نسل اور قیمت ہر لحاظ سے عمدہ تھا۔روشو نے یہ بکرا خصوصی طور پر اندرونِ سندھ کے بہترین "کیٹل فارم" سے منگوایا تھا اور پھر دن رات اس کی دیکھ بھال کرنا اور اسے ساتھ ساتھ لیے پھرنا ،خصوصی خوراک کا خیال روشو کے بکرے کو لوگوں کی نظر میں خوب معتبر کر رہا تھا۔ساتھ ہی بکرے کے چوڑے قد کاٹھ کی بنا پر اسے "ٹائیگر" کا نام دیا گیا تھا۔اس نام نے بکرے کو مزید شہرت دے دی تھی اور روشو اپنے ٹائیگر کو سینہ چوڑا کر کے سب سے ملواتا تھا۔

***

روشو دراصل بچپن سے ہی اس محلے میں رہا تھا' اسی لیے محلے میں روشن ،روشو کہلانے لگا۔امیر والدین کی اولاد تھا۔والدین عاجزی اور انکساری کا مرقع تھے ،انھوں نے روشو کی تربیت میں خوب جتن کیے ،لیکن سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہونے والے پر دولت کے اثرات پڑ ہی گئے ،پھر خوشامدی دوستوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی اور اس طرح روشو نمود و نمائش کا دلدادہ بن گیا۔روشو کی خود نمائی کی عادت دن بدن پروان چڑھ رہی تھی۔اس کے والد سیٹھ شمیم اس بات کو لے کر بہت پریشان رہتے ،اس کے لیے دعائیں بھی مانگتے ،لیکن کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔اب روشو بھرپور جوان ہو چکا تھا۔ سختی اور روک ٹوک سے بغاوت پر اتر آتا ،اس لیے شمیم صاحب نے چپ رہنے ہی میں مصلحت سمجھ لی تھی۔

یوں تو شمیم صاحب کے ہاں ہر سال اچھے سے اچھا جانور لایا جاتا' لیکن اب روشو کی خواہشیں نرالی تھیں۔اسی سلسلے میں پچھلے سال سے اس کا جانور منفرد اور مہنگا آنے لگا تھا' لیکن اس بار روشو کو کچھ ہٹ کر کے دکھانا تھا' دراصل دن بدن لوگوں میں بڑھتے ہوئے دکھاوے اور نمود و نمائش کی وبا نے سب کو لپیٹ میں لیا ہوا ہے' اسی لپیٹ میں روشو بھی برے طریقے سے پھنس چکا تھا' پھر دولت بھی خوب تھی۔ بس جب دُھن بھی خوب ہو تو ریاکاری کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

***

"آخر پورے علاقے میں کس کی مجال ہوئی کہ اس نے میرے جانور کو چرایا۔" روشو اکڑ کے ساتھ پولیس کانسٹیبل کو دھمکا رہا تھا۔ شمیم صاحب روشو کے انداز سے سخت نالاں تھے ،مگر خاموش تھے۔

"سیٹھ صاحب !آپ فکر نہ کریں' چور کو جانور سمیت پاتال سے بھی ڈھونڈ لائیں گے۔" پولیس کانسٹیبل سیٹھ شمیم کو دیکھتے ہوئے چاپلوسی سے بولا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا' اتنا مہنگا جانور نہ منگواؤ۔" ابّا جان افسوس سے سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"ابا جی! آپ نے ساری زندگی سر جھکا کر نکال دی ،لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔" روشو دُرُشتی سے بولا۔

"روشو!!! یہ کیا انداز ہے باپ سے بات کرنے کا؟" اس بار بیگم شمیم سیخ پا تھیں ،لیکن روشو کو لاڈ پیار اور غلط صحبت نے بے انتہا خود سر بنا دیا تھا۔

***

دو دن ہو چکے تھے' روشو کے بکرے کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔روشو کے دوست اسے اس بکرے کو بھول کر ایک نئے بکرے کو لانے کا مشورہ دے چکے تھے ،لیکن روشو کو یقین تھا کہ بکرا ضرور مل جائے گا اور پھر اسی شام روشو کسی کام سے مکان کے تہ خانے میں گیا' جہاں عموماً گھر کا کاٹھ کباڑ پڑا رہتا تھا اور وہاں سے آتی "میں' میں" کی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔ "یہ تو میرے ٹائیگر کی آواز ہے۔" روشو آواز کی سمت گھوما اور آخر ٹائیگر کو سامنے پایا' مگر یہ کیا؟

ٹائیگر کے پاس ابا جی بھی موجود تھے جو ٹائیگر کو چارہ پانی دے رہے تھے۔

"ابا جی آپ؟" روشو سے اس سے آگے کچھ نہیں کہا گیا۔

***

سب ہال میں موجود تھے' روشو کو اب تک ابا جی کا ٹائیگر کو غائب کرنا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ "روشو یقیناً تم یہ جاننے کے لیے بے چین ہو گے کہ میں نے یعنی تمہارے ابّا نے تمہیں یہ تکلیف کیوں پہنچائی؟"

تو سنو! میں تمہیں خود نمائی اور ریاکاری سے بچانا چاہتا تھا' لیکن تم جوانی کے جوش میں اپنے بڑوں کی بات کو خاطر میں نہیں لا رہے تھے۔قربانی کا عمل سنّتِ ابراہیمی ہے' اللّٰہ کی خوش نودی کا ذریعہ ،لیکن تم نے اسے خود نمائی اور میں' میں کا ذریعہ بنا لیا اور جہاں "میں" آ جائے۔وہاں رب کی رضا شاملِ حال نہیں رہتی۔

اپنی "میں" کو مٹا لو' یاد رکھو جو اپنی "میں" کو نہیں مٹاتا' پھر اللّٰہ تعالیٰ خود اس کی "میں" کو مٹا دیتے ہیں اور جس کی "میں" کو اللہ مٹاتے ہیں' پھر اس کا تماشا دنیا دیکھتی ہے۔ اس سے پہلے کہ اللّٰہ ہماری "میں" کو توڑے ہم اپنی "میں" کو خود توڑ لیں اسے کہتے ہیں : "نفس کو مٹانا۔" الحمد للہ ! ہمارا جانور ہر سال بہترین اور اعلیٰ نسل کا آتا رہا ہے' لیکن تم نے جو پچھلے سال سے دکھلاوے کی بنیاد ڈال دی تھی' میں اس بنیاد کو مضبوط ہونے سے پہلے ہی ختم کر دینا چاہتا تھا۔اسی لیے مجھے یہ کھیل کھیلنا پڑا' ورنہ تم میری بات کبھی نہ سمجھتے۔" شمیم صاحب یہ سب کہہ کر خاموش ہوئے تو انہیں روشو کی ہچکیاں سنائی دیں۔وہ ہاتھ جوڑے ابا جی سے معافی مانگ رہا تھا۔ لیکن پھر ابا جی نے اس کے ہاتھ تھام کر اسے سینے سے لگا لیا۔اب روشو نے بھی ابا جی کی طرح عاجزی و انکساری کا پیکر بننے کا عزم کر لیا۔ "روشو ٹائیگر کو پیار کر رہا تھا' لیکن اب اس کے انداز میں وہ اکڑ اور غرور نہیں تھا' بلکہ رب کی شکر گزاری اس کی آنکھوں سے عیاں تھی۔

Brady's

The nourishing taste of Scott Baking

Plain Cake

Delicious & Delightful

احمد کا دنبہ

عمارہ فہیم

"بچو! آپ نے دنبہ دیکھا؟" احمد کے ابو خالد صاحب نے بچوں سے پوچھا۔

"دنبہ؟ کہاں ہے دنبہ؟ کون لایا دنبہ، ہم نے تو نہیں دیکھا۔" احمد نے ایک ساتھ سوالوں کی بوچھاڑ بھی کی اور والد صاحب کے سوال کا جواب بھی دیا۔

"ارے بھئی! نیچے ہی تو باندھا ہوا ہے دکان کے پاس۔ مجھے اچھا لگا تو خرید کر یہاں چھوڑ گیا تھا۔"

احمد نے جلدی سے جا کر اپنا دنبہ دیکھا، وہ تو ایک نرم ملائم روئی کا گولا تھا، چھوٹا سا معصوم سا۔ حُسن تو اس پر ایسا کہ آنکھ دیکھتی تو نظر نہ ہٹے سفید اور گلابی رنگت کا امتزاج، لمبے کان، کانوں کے کونے تھوڑے سے کالے، بڑی بڑی آنکھیں آنکھوں کے گرد کالے سرکل، ننھی ننھی پُتلیاں بالکل ایسے جیسے روڈ پر نقلی دنبے گڈے۔

"ابو بہت خوب صورت ہے ماشاء اللہ، بالکل میری پسند کا، میں اس کا بہت خیال رکھوں گا۔" احمد نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔

"جی بیٹے، ہم اسے قربانی کے لیے تیار کریں گے اور میں نے اسے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربان کرنے کی نیت کی ہے۔"

***

"ابو یہ تو گھر میں آتا ہی نہیں ہے، گیٹ کو دیکھتے ہی پیچھے بریک لگاتا ہے۔ زبردستی کرو تو اور اکڑتا ہے، پھر گود میں لانا پڑتا ہے۔" احمد کے بھائی زین نے منہ بنا کر کہا جس پر سب ہنس پڑے۔ "اسے باہر طرح طرح کے نظارے ملتے ہیں تو بھلا وہ رات کو اکیلے ایک کونے میں دیوار کو گھورتے کیسے گزارے۔" چاچو نے ہنستے ہوئے کہا۔

***

"زین زین۔۔۔ احمد۔۔۔"

فاروق زین اور احمد کو آواز لگاتا دوڑتا ہوا آیا۔

کیا ہوا، ایسے کیوں چیخ رہے ہو؟ زین اور احمد جو جمعہ کی نماز پڑھ کر آئے ہی تھے کہ فاروق کے چیخنے کی آواز پر فوراً دروازے کی طرف بھاگے اور چیخنے کی وجہ پوچھی۔

"وہ دنبہ۔۔۔"

"کیا ہوا دنبے کو؟؟" جو بات فاروق نے دونوں بھائیوں کے گوش گزار کی، وہ ان کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھی۔

"دنبے کے پاؤں پر رکشہ چڑھ گیا۔"

"کیا، کیسے؟؟" گھر سے باہر بھاگتے ہوئے پریشان لہجے میں احمد نے پوچھا۔

"وہ رکشے والا رکشہ ریورس لے رہا تھا" امجد بھائی بیکری والے نے جلدی سے دنبے کو دیکھا اور بام لگا کر تھوڑا ہاتھوں سے پاؤں کو سہلایا، پھر رسی کھول کر احمد کو کہا اسے تھوڑا چلاؤ۔ پہلے پہل تو لنگڑا کر چلا، لیکن تھوڑا چلنے کے بعد واپس اپنی صحیح حالت پر آ گیا۔

احمد کے دنبے کے دوڑنے کا ایک خاص انداز تھا۔ کوئی بھی جانور ہو یا انسان وہ بھاگے گا تو ظاہر ہے سیدھ میں بھاگے گا، لیکن احمد کا دنبہ سب سے الگ تھا، جب وہ بھاگتا تو سیدھے بھاگنے کے بجائے اپنے آپ کو کراس میں موڑتا ایسے کہ گلی کی سیدھ میں اس کا پیٹ و کمر ہوتی اور چہرہ اور پچھلا حصہ گلی کے دائیں بائیں۔

بھاگنے سے پہلے ایک فٹ اونچی زوردار جمپ لگاتا اور کراس میں ہی بھاگتا۔

احمد کا دنبہ اپنی نئی الگ سی حرکتوں اور انداز کی وجہ سے جلد ہی پورے محلے میں وہ مشہور ہو گیا تھا اور لوگ اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کی گلابی رنگت کو دیکھ کر تعریف کیے بغیر نہ رہتے، اب ان تعریفوں کا نقصان بھی ہوتا۔

"ابو دنبہ صبح سے کچھ نہیں کھا رہا، مجھے لگتا ہے اسے پھر نظر لگ گئی ہے۔"

"اچھا بھئی! دیکھ لیتے ہیں اس کی نظر!"

"ابو! آپ کو پتا ہے، کل اس نے کیا کیا؟؟"

"نہیں! کیا ہوا؟؟"

"عارف بھائی کے کاؤنٹر سے کپڑا لٹک رہا تھا، وہ کٹنگ کر رہے تھے، یہ کپڑا چبا گیا اور پھر خوش ہونے والے انداز سے اچھل رہا تھا تو ایک آدمی پاس سے کہتا ہوا گیا کیسا ہوشیار، سمجھدار اور خوبصورت جانور ہے۔"

احمد نے عجیب ٹیڑھے میڑھے منہ بنا کر کہا۔

"اس کو نظر نہ لگے تو اور کیا ہو گا، حرکتیں ہی ایسی ہیں اس کی۔"

اسے کھولو تو کبھی گول گول گھومنے لگتا ہے، کبھی آتے جاتے لوگوں کو ڈرا دیتا ہے، مارتا نہیں بس زور سے پاس بھاگ کر جاتا ہے، جب وہ ڈر کر اچھل جائے یا دور ہو جائے تو کودتا ہوا واپس آ جاتا ہے اور تو اور بڑے ابو سگریٹ پی کر پیچھے کا حصہ پھینکتے ہیں ناں تو یہ اسے کھا جاتا ہے، کبھی کبھی چیز لینے آئے بچے اس کے پاس پیسے جھلاتے ہیں تو کھا جاتا ہے، روڈ پر پول کے ساتھ باندھو تو پاؤں پورے لمبے کر کے لیٹ جاتا ہے۔ گاڑیاں آتی ہیں، مگر اس کو کیسے روکیں، پھر مزے کی بات گھر میں باندھ دو تو چیخ چیخ کر محلّہ اکٹھا کر لیتا ہے اور آپ کو یاد ہے جب آپ نے اسے کیلے کے چھلکے کھلائے تھے، کیسے منہ پیچھے کیا تھا۔"

"ہاں اور جب کیلے کے چھلکے پر ہی آم کے چھلکے رگڑ کر کھلائے، منہ میں لے گیا جب رس ہٹا تو سمجھ آنے پر تھوک دیا تھا۔"

احمد نے مسکراتے ہوئے اپنے دنبے کی تعریف کی۔

"سچ ابو! بہت انوکھا دنبہ ہے یہ۔" زین نے احمد کے دنبے کی حرکتیں یاد کرتے سر تھام کر مسکرا کر کہا۔ "بیٹے جانور ہے وہ، اسے کیا خبر وہ کیا کر رہا ہے اور رہی بات اس کی سمجھ داری، خوب صورتی، چوٹ کھا کر بھی ٹھیک ہو جانے والی بات تو مجھے لگتا ہے یہ ہماری نیت کا پھل ہے۔"

"جی ابو شاید ایسا ہی ہے۔"

***

"بھائی! آپ کا دنبہ تو بہت اچھا ہے، بیچ رہے ہو؟" ایک آدمی نے احمد کے تایا سے پوچھا۔

"نہیں، یہ قربانی کا ہے اور ہے بھی میرے بھتیجے کا۔"

"آپ دیکھ لیں، پوچھ کر بتائیں چالیس ہزار دینے کو تیار ہوں میں۔"

عید سے ایک ہفتہ پہلے سے ہی ایک آدمی احمد کا دنبہ خریدنے روز ہی آنے لگا اور مسلسل قیمت بڑھاتا رہا، آخر کار چاند رات کو ساٹھ ہزار روپے دینے کے لیے بھی تیار ہو گیا۔

عجیب امتحان تھا احمد کے والد کے لیے، سب کہہ رہے تھے اتنی اچھی قیمت دروازے پر ہی مل رہی ہے، بیچ دو کوئی اور جانور خرید لو، شیطان بھی اپنا کام کر رہا تھا۔

"ابو! آپ میرا دنبہ قربان نہ کریں، وہ اتنا معصوم ہے، اتنا پیارا ہے آپ کو پتا ہے، وہ میری بات بھی مانتا ہے، میں اسے نہلاتا ہوں، وہ میرے ساتھ کھیلتا ہے۔ ہم گائے یا کوئی اور جانور لے لیتے ہیں، پلیز!" احمد نے رونی صورت بنا کر کہا۔

"بیٹے! اللہ کو وہ قربانی بہت پسند ہے، جسے آپ پال پوس کر اللہ کے راستے میں قربان کریں۔"

"اور جب آپ اپنی محبوب چیز کو اللہ کے لیے قربان کرتے ہیں تو اللہ پاک بہت خوش

اسماعیل کی باتیں

ام محمد مصطفی

میرا نام اسمٰعیل ہے' اس نام کے پیچھے وجہ ہے میرا بقر عید کے دن پیدا ہونا ہے۔ لوگ اپنی سال گرہ پر کیک کاٹتے ہیں اور میں اپنی ہر سال گرہ پر بکرا کاٹتا ہوں۔ ہے نا مزے کی بات۔۔۔ اسی خوشی میں کچھ سال نکل گئے' مگر اب میں بڑا ہو رہا ہوں۔

چند دن پہلے میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق تمام واقعات کا تفصیلی مطالعہ کیا۔ اس وقت مجھے علم ہوا کہ اسماعیل علیہ السلام "ذبیح اللہ" کے لقب سے مشہور ہیں' کس طرح انّوں نے بیک وقت اللہ رب العزت اور اپنے والد محترم ابراہیم علیہ السلام کی فرماں برداری کا ثبوت دیا تھا اور اسی فرماں برداری کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کو تا قیامت زندہ رکھنے کا اعلان جاری کر دیا۔

اس دن دادی جان امی سے کہہ رہی تھیں: "شکر کرو' دنبے اور بکرے کی قربانی فرض کی گئی' اسماعیل علیہ السلام کی طرح رب تعالیٰ بیٹے کی قربانی کا حکم دے دیتے تو ہم کیا کرتے؟" دادی کی بات میں وزن تھا' امی بھی سر ہلانے لگیں۔

ویسے میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے لیے ہمیں اپنی خواہشات کو چھوڑنا پڑتا ہے' کچھ دیر کے لیے ان خواہشات کو چھوڑنا کتنا مشکل لگتا ہے' مگر پھر جب کر گزرتے ہیں تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے' لیکن گناہ کو چھوڑ کر اللہ کی ماننے کی خوشی' سرور اور ثواب کتنا بڑا ہوتا ہے۔ جیسے اسماعیل علیہ السلام نے والد کا خواب سن کر اللہ کا حکم جان لیا اور اپنا سر کٹوانے کے لیے جھکا دیا۔ کتنا مشکل حکم تھا' لیکن فرماں برداری کی اعلیٰ مثال قائم کر دی' جب ہی تو اللہ تعالیٰ نے فی الفور جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ مینڈھا لے کر جانے کا حکم دیا' ساتھ ہی چھری کو نہ کاٹنے کا حکم ملا۔

اسی طرح کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ پڑوس کی کنڈی یا گھنٹی بجا کر بھاگ جائیں' لیکن پھر اللہ کا حکم خیال میں آ جاتا ہے کہ "کسی مسلمان کو تکلیف نہ دو۔" اسی طرح کبھی کبھی کلاس میں کسی دوست کی چیز چھپا کر اس کی پریشانی دیکھ کر ہنسنے کو دل چاہتا ہے' مگر پھر اللہ کی ناراضی تصور میں ابھرتی ہے کہ "اس تھوڑی دیر کی ہنسی میں رب کی ناراضی چھپی ہے۔" تو دل خوف زدہ ہو جاتا ہے۔

اسی طرح کبھی کبھی استاد سے یا امی ابو سے کوئی بات چھپانے کے لیے جھوٹ بول کر ڈانٹ سے بچنے کا دل چاہتا ہے' مگر پھر "اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور ناراضی سے ڈر لگنے لگتا ہے۔"

اس طرح کی کئی باتیں مجھے گناہ پر اکساتی ہیں' لیکن اللہ کی خوش نودی' نیکی کی لذّت اور ثواب و اجر کی خواہش ہمیشہ جیت جاتی ہے اور میں گناہ کرنے سے بچ جاتا ہوں۔ شاید یہ میرے نام کا اثر ہے یا پھر میرے والدین کی دعائیں ہیں۔

ساتھیو! کیا آپ بھی نیکی کی لذّت' اللہ کی خوشی اور ثواب کا انعام پانا چاہتے ہیں تو پھر اپنے آپ کو کسی کا دل دکھانے سے بچا کر دیکھیے' کسی کی مدد کر کے محسوس کیجیے۔ ارے میں بھی کتنا بھلکڑ ہوں' بکرے کو چارا ڈالنا تھا اور لگ گیا آپ سے باتیں کرنے۔ مجھے اجازت دیجیے! بقر عید مبارک ہو۔

ہوتے ہیں اور ہمارا بیٹا تو بہت اچھا ہے' اللہ پاک سے بہت محبت کرتا ہے تو وہ اس قربانی پر دکھی نہیں ہو گا بلکہ خوشی سے قبول کرے گا۔"

اللہ رب العزت کی طرف سے امتحان کی گھڑی تھی' ایک طرف احمد کی دنبے سے محبت تھی تو دوسری طرف اس کی بڑھ چڑھ کر بولی' ایسے میں اللہ کے آگے سُرخرو ہونا تھا۔

"زین! جاؤ' احمد کو کہو دنبے کو لے آئے۔" عید کی نماز سے آنے کے بعد احمد کے ابو نے کہا۔

"وہ اسے گھاس کھلا کر گھما رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے' دیکھ لو' اگر لے آئے گا تو جلدی سے فارغ ہو جائیں گے۔"

زین نے دنبے کو ہلکا سا آگے کو جھکاؤ دیا اور احمد کا دنبہ خاموشی سے اللہ کے حضور پیش ہونے کے لیے لیٹ گیا۔

"یار دیکھو تو نہ ہلا نہ چیخا' چلایا اور تو اور خون اور گوشت میں ذرا بھی بو نہیں۔" قریب ہی کھڑے ایک لڑکے نے کہا تو سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے یار! خون پر' گوشت پر مکھی بھی نہیں بیٹھی' واقعی مقبول قربانی لگتی ہے۔" ایک اور لڑکے نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے! تو نے ہمیں طاقت دی' ہمت دی زندگی میں پہلی بار جانور کو پال کر آپ کے محبوب نبی ﷺ کی طرف سے قربانی کی۔ اسے اپنی بارگاہ میں قبول کر لے اور ہمیں تکبر و غرور سے اور شیطان کی ہر چال سے بچا کر اپنی پناہ دے دے۔ آمین"

احمد کے ابو نے آس پاس کی گفتگو سن کر رب کے حضور دعا کی۔

"امی! میں یہ گوشت نہیں کھاؤں گا' کیوں کہ یہ میرے دنبے کا ہے' میرے لیے کچھ اور بنا دیں۔" احمد نے روتے روتے کہا۔

"یہ تو غلط بات ہے احمد۔۔۔ آپ رو کیوں رہے ہو؟" احمد کی امی نے کہا۔

"امی! میں اس لیے نہیں رو رہا کہ میرا دنبہ قربان ہو گیا' میں تو اس لیے رو رہا ہوں' اب میں کس کو گھماؤں گا؟ کون کھیلے گا میرے ساتھ؟ میرا پیارا دنبہ تو قربان ہو گیا ناں!!!" احمد بولتے ساتھ ایک بار پھر رونے لگا۔

"اچھا' تو یہ بات ہے' چلو پھر عید کے بعد آپ کو دوسرا دنبہ دلا دیں گے۔ آپ اسے پالنا اور اس کے ساتھ کھیل لینا۔" احمد کے ابو نے پیچھے سے احمد کی بات سن کر کہا۔

"سچی ابو!" احمد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"مچی بیٹا!" احمد کے ابو نے اسی کے انداز سے کہا تو کمرے میں سب کے ہنسنے کی آواز پھیل گئی۔

بازگشت

قرۃ العین خرم ہاشمی

"اوئے لمبو! ادھر آ۔" طاہر نے اپنے کلاس فیلو علی کو آواز لگائی۔ جس کا قد کلاس میں سب سے بڑا تھا۔ علی نے ناگواری سے سر گھما کر پچھلے ڈیسک پر بیٹھے طاہر اور اس کے گروپ کی طرف دیکھا۔ طاہر اور اس نے تینوں دوست اسی طرح مختلف نام رکھ کر دوسروں کا مذاق اڑاتے۔ بچوں نے کئی بار ان کے گروپ کی شکایت کلاس ٹیچر سے بھی کی۔ ٹیچر نے سزا بھی دی مگر پھر بھی وہ سب باز نہیں آتے تھے۔ باقی بچے تو پھر بھی سن لیتے مگر طاہر بہت ضدّی تھا۔ اسے عادت تھی دوسروں کو برے برے القاب سے پکارنے کی۔ ان کا مذاق اڑانے کی۔ طاہر کو دوست بھی اپنے جیسے ملے تھے۔ طاہر پانچویں کلاس کا طالبِ علم تھا۔ بہت شرارتی اور ضدّی تھا۔ ویسے تو وہ پڑھائی میں اچھا تھا' مگر دوسروں کو برے برے ناموں سے پکارنے کی وجہ سے کوئی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔

"اوئے لمبو! سنا نہیں تم نے؟" طاہر نے پھر علی کو چڑایا۔ آج علی کے ریاضی کے ٹیسٹ میں زیادہ نمبر آئے تھے اور طاہر کے بہت کم۔ طاہر اس کی کامیابی دیکھ کر جلنے لگا' اس لیے وہ جان بوجھ کر علی کو تنگ کر رہا تھا۔ "تمہیں تمیز نہیں ہے بات کرنے کی۔" علی نے پاس آ کر غصے سے کہا۔

"ہاں نہیں ہے۔" طاہر بھی تن کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے غصے سے کھڑے تھے' جب کلاس ٹیچر سیما اندر داخل ہوئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" مس سیما نے سخت لہجے میں سوال کیا۔

"مس میں اپنا کام کر رہا تھا۔ علی بلاوجہ مجھ سے لڑنے یہاں آ گیا ہے۔" طاہر نے جلدی سے کہا۔

"علی آپ اپنا ڈیسک چھوڑ کر وہاں کیوں گئے ہیں؟" مس سیما نے پوچھا۔

"مس! طاہر میرا مذاق اڑا رہا تھا۔ مجھے لمبو کہہ رہا تھا۔" علی نے کہا تو کلاس کے سب بچے ہنس پڑے۔ مس بھی مسکرانے لگیں۔

"لمبے تو آپ ہیں' مگر طاہر آپ کو کسی کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے۔ انسان کا اپنی جسامت' قد کاٹھ رنگ شکل پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ سب اللہ کی تخلیق ہے۔" مس سیما نے نرمی سے سمجھایا تو طاہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "سوری مس! میں آیندہ ایسا نہیں کہوں گا۔"

طاہر نے معصوم شکل بنا کر کہا تو مس نے سر ہلا کر سب بچوں کو کتابیں کھولنے کا کہا۔ طاہر نے اس دن مس سے وعدہ تو کر لیا تھا' مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہیں آیا تھا۔ وہ اسی طرح بچوں کو برے برے القاب سے پکارتا تھا۔ کسی کو موٹا' کسی کو چھوٹو' کسی کو پتلو کسی کو چشمو کہتا۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس کی عادت پکی ہو گئی۔ طاہر اب نویں کلاس میں تھا۔ اس سال اس کے بورڈ کے امتحان تھے۔ طاہر ایک بار تیز رفتاری سے بائیک چلاتے ہوئے حادثے کا شکار ہو گیا اور ٹانگ پر پلستر ہونے کی وجہ سے کافی دن اسکول نہیں جا سکا۔ جب وہ اسکول گیا تو کلاس کے بچے پڑھائی میں بہت آگے نکل چکے تھے۔ سالانہ امتحان قریب تھے۔ سب بچوں کو رول نمبر سلپ مل گئی اور وہ باقی کے دن گھر بیٹھ کر تیاری کر رہے تھے۔ طاہر کو امتحانوں کی تیاری کے لیے کچھ نوٹس کی بہت ضرورت تھی۔ طاہر کے جو دوست تھے' وہ کلاس کے نالائق طالب علم تھے۔ طاہر نے ان سے نوٹس کی بات کی تو ان کے پاس مطلوبہ نوٹس نہیں تھے۔ طاہر کو بہت برا لگا۔ زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ برے دوست کی دوستی کبھی نہ کبھی نقصان ضرور پہنچاتی ہے۔ طاہر کو انجینیر بننے کا شوق تھا۔ اس کے لیے وہ ابھی سے بہت محنت کر رہا تھا۔ اچھے نمبر لینا اس کا مقصد تھا' تاکہ آگے اسے بہترین اداروں میں اسکالرشپ کی بنیاد پر داخلہ مل جائے۔

طاہر بہت پریشان تھا۔ اسے پریشان دیکھ کر اس کی ماں نے وجہ پوچھی تو طاہر نے ماں کو ساری بات بتا دی۔

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ تم اپنی کلاس کے لائق بچوں سے نوٹس لے لو۔ علی بھی تو ہے۔ وہ تو ایک گلی چھوڑ کر رہتا ہے۔ تم اس سے بات کر لو۔"

ماں کے سمجھانے پر طاہر چپ کر گیا۔ اس کی ماں کو نہیں پتا تھا کہ طاہر کس طرح اپنی کلاس کے بچوں کا مذاق اڑاتا کہ وہ بچے طاہر سے دوستی تو دور بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ طاہر نے پھر بھی ایک بار کوشش کرنے کا سوچا۔ اس نے ان سب بچوں سے رابطہ کر کے نوٹس مانگے جو کلاس میں بہت اچھے اور ذہین طالبِ علم تھے' مگر سب بچوں نے اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔

"تم نے ہمیشہ ہمارے برے نام رکھے۔ ہمارا دل دکھایا۔ اب ہم کیوں تمہاری مدد کریں۔"

سب بچوں نے باری باری اسے ایسے ہی جوابات دیے۔ اس دن طاہر بہت اداس تھا۔ اسے اداس دیکھ کر جب ماں نے وجہ پوچھی تو طاہر رو پڑا۔

"امی جان! میں نے سب بچوں کو بہت تنگ کیا۔ ان کے برے برے نام رکھے' جس سے وہ چڑتے تھے۔ اس لیے آج میری کوئی مدد نہیں کر رہا۔"

طاہر نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا۔

"طاہر بیٹا! یہ جو بری عادتیں ہوتی ہیں ناں! ان کے اندر بازگشت جیسی صلاحیت ہوتی ہے۔ بازگشت کا مطلب پتا ہے؟" ماں نے سوال کیا تو طاہر نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں یاد ہے! ایک بار ہم پہاڑی علاقے میں گھومنے گئے تھے۔" ماں نے ایک سال پہلے کی بات یاد کروائی۔ "جی اور وہاں جب میں اپنا نام زور سے پکارتا تھا تو میری آواز مجھے بار بار سنائی دیتی تھی۔" طاہر نے مسکراتے ہوئے یاد کیا۔

"اسی کو بازگشت کہتے ہیں۔ دیکھو تم نیکی کرو یا برائی۔ تمہیں زندگی میں وہ دوبارہ ضرور ملتی ہے۔ جیسے تم کئی سال پہلے بچوں کا مذاق اڑا رہے ہو۔ برے القاب سے پکار رہے ہو۔ طاہر بیٹا! اگر وہ تمہاری مدد کرنا چاہیں بھی تو ان کے دل میں تمہارے برے لفظوں کی بازگشت گھومتی رہے گی' جس کے زیرِ اثر وہ تمہاری مدد نہیں کریں گے۔ کیا تم نے قرآن کی وہ آیت نہیں سنی۔ "اور تم سب ایک دوسرے کو (برے) القاب سے مت پکارو۔" (الحجرات: 11)

ماں نے نرمی سے سمجھایا تو طاہر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"میں نے اتنے سال ایک غلط عادت کی وجہ سے سب کا دل دکھایا۔ اللہ مجھے معاف کر دے۔" طاہر نے سچے دل سے توبہ کی۔

"شاباش بیٹا! اب چلو اپنا موڈ ٹھیک کرو اور اپنے کمرے میں جا کر پڑھو۔" اس کی ماں نے کہا۔

"مگر میرے پاس نوٹس نہیں ہیں۔" طاہر نے افسردگی سے کہا۔

"نوٹس تمہاری میز پر رکھے ہوئے ہیں۔" ماں نے مسکراتے ہوئے کہا تو طاہر حیرت سے انھیں دیکھنے لگا۔

"علی آیا تھا۔ وہ تمہارے لیے فوٹو اسٹیٹ کروا کے نوٹس دے گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ طاہر ایک اچھا طالبِ علم ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ سالانہ امتحان میں فیل ہو جائے۔ دیکھا بیٹا! اسے اللہ کی مدد اور کسی کی اچھائی کہتے ہیں۔" ماں نے کہا تو طاہر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں پہلے علی اور پھر سب بچوں سے اپنے برے رویے کی معافی مانگوں گا۔"

طاہر نے کہا اور ماں سے اجازت لے کر گھر سے نکل گیا۔ اس کی ماں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ طاہر کو سیدھا راستہ مل گیا ہے' جس پر چل کر نہ صرف وہ اپنے لیے بلکہ سب کے لیے خیر کا باعث بن جائے گا۔ اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے ہوں یا غیر! ہمیشہ سب کو اچھے اور پیارے ناموں سے مخاطب کرنا چاہیے۔ اس سے ایک دوسرے کے لیے دل میں محبت اور نرمی بڑھتی ہے۔

***

مارخور

فوزیہ خلیل

"ہمارے ملک کا قومی کھیل کون سا ہے؟" مس حریم نے بچوں سے دریافت کیا۔ "ہاکی" فوراً آواز آئی۔

"قومی پھول؟" اگلا سوال تھا "چنبیلی" کسی نے فوراً کہا۔

"قومی جانور؟" مس حریم نے پوچھا تو بچے سوچ میں پڑ گئے۔ "مارخور" انواں نے خود ہی جواب دیا۔

"مارخور، کیسا عجیب سا نام ہے۔" نمرہ بولی۔ "مارخور فارسی کا لفظ ہے۔ فارسی زبان میں مار کے معنی سانپ اور خور کے معنی کھانے والا یعنی سانپ کھانے والا۔ یہ جانور سانپ بہت شوق سے کھاتا ہے۔" مس نے تفصیل بتائی۔

"اوہ! سانپ کا شکار تو کافی مشکل کام ہے۔" وجیہہ کہنے لگی۔ "مارخور، سانپ مل جانے پر پہلے اس کے ساتھ کھیل تماشے کرتا ہے۔ پکڑتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے، پھر دم سادھے کھڑا ہو جاتا ہے۔ سانپ بھاگتا ہے تو پھر اسے جالیتا ہے۔ پیروں سے مار مار کر اسے زخمی کرتا ہے، اس کھیل تماشے میں وہ بالکل اَدھ مرا ہو جاتا ہے، پھر اسے چباتا ہے۔" مس حریم بولیں۔ "سانپ چبانا، اُف۔" بچوں نے جھرجھری لے کر کہا۔

"سانپ کے شکار کے بعد مارخور اطمینان سے بیٹھ کر جگالی کرتا ہے، اس وقت اس کے منہ سے جھاگ نکلتا ہے جو نیچے گر کر خشک اور سخت ہو جاتا ہے۔" "پھر؟ کیا وہ خشک جھاگ کسی کام کا ہوتا ہے۔" طوبیٰ نے پوچھا۔

"ہاں بالکل! یہ خشک جھاگ سانپ کے کاٹے کا بہترین علاج ہے، یعنی یہ تریاق ہے۔ سپیرے یہ خشک جھاگ ان علاقوں میں تلاش کرتے ہیں، جہاں مارخور پایا جاتا ہے۔" "پھر۔۔۔" بچوں نے حیرت سے پوچھا۔ "جس جگہ سانپ نے کاٹا ہو، وہاں پر اس خشک جھاگ کو رکھ دیا جائے تو وہ تمام زہر چوس لیتا ہے، اس طرح اُس انسان کی جان بچائی جاسکتی ہے، جس کو سانپ نے ڈس لیا ہو۔"

"حیرت انگیز۔" بچوں نے مارے حیرت کے کہا۔ "مس۔۔۔! مار خور کہاں رہتا ہے؟" "یہ ایک پہاڑی جانور ہے۔ پہاڑوں کی بلندی پر ملتا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین ہزار فٹ کی بلندی پر پایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں خطرے کے وقت مارخور سینکڑوں فٹ کی بلندی سے بھی کود جاتا ہے۔" "اوہ! تو پھر اتنی بلندی سے گرنے سے تو یہ مر جاتے ہوں گے۔" سمیعہ نے افسوس سے کہا۔

"نہیں۔ یہ اپنے سینگوں کے بل زمین پر گرتا ہے تو اس طرح اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔" "اوہ! یعنی زمین پر گر کر یہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے؟" منال نے پوچھا۔

"ہاں بالکل۔ زمین پر گر کر اٹھتا ہے اور محفوظ جگہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، یوں دشمن منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔" "مس! کہتے ہیں مارخور کے سینگ کچھ خاص طرح کے ہوتے ہیں؟" فضیلہ نے پوچھا۔

"ہاں بیٹی، مارخور کے سینگ پیچ دار ہوتے ہیں۔ اس کے سینگوں سے اس کی عمر کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے، ویسے ویسے اس کے سینگوں کے خم بڑھتے ہیں۔ ایک سال میں اس کے سینگوں کا ایک دائرہ یا چھلا مکمل ہو جاتا ہے۔" "اوہ، اس طرح تو اس کے سینگ بہت لمبے ہوتے ہوں گے۔" پریشہ بولی۔

"نر مارخور کے سینگ لگ بھگ 60 سینٹی میٹر ہوتے ہیں، جبکہ مادہ مارخور کے سینگ اس کے آدھے سے بھی کم ہوتے ہیں۔ مادہ کے سینگ چھوٹے اور سیدھے ہوتے ہیں۔ پشت کی طرف اُن میں ہلکا سا خم ہوتا ہے۔"

"مس اور یہ کھاتا کیا ہے؟" "یہ گھاس پھوس کھاتا ہے۔ جب سردیاں ہوتی ہیں اور زمین میں ہر طرف برف ہی برف ہوتی ہے تو یہ درختوں کی سوکھی ہوئی چھالوں سے بھی بھوک مٹالیتا ہے، یعنی آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ موسمِ گرما میں گھاس پھوس اور موسمِ سرما میں درختوں کی چھالیں اور پتے کھاتا ہے۔"

"اور پیاس۔۔۔ پیاس کیسے بجھاتا ہے۔ پہاڑوں پر پانی کیسے حاصل کرتا ہے؟" گل افشاں نے حیرت سے کہا۔

"مارخور عام طور پر پانی کے ذخائر کی طرف نہیں جاتا۔ جب برف باری ہو رہی ہو تو بس برف چاٹ لیتا ہے۔" "مس! میں نے سنا ہے کہ پالتو مارخور کو نمک کے ڈلے دیے جاتے ہیں؟" راحمہ بولی۔

"ہاں بیٹی! اسے نمک کی بہت ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے پالتو مارخور کو نمک دیتے ہیں اور جب یہ آزاد ہوتا ہے تو نمنو زمین چاٹتا رہتا ہے۔" "سنا ہے اس کے جسم سے عجیب سی بو آتی ہے۔" "ہاں، کہتے ہیں اس کے جسم کی بو سے سانپ بھاگ جاتے ہیں۔ سانپ کو مارخور کی موجودگی کا جیسے ہی احساس ہوتا ہے۔ سانپ بھاگ نکلتے ہیں، حتیٰ کہ جس جگہ مارخور کی کھال یا سینگ ہوں سانپ وہاں بھی آنے سے کتراتے ہیں۔" "شاید مارخور کی کھال یا سینگ کی بو سے سانپوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں اصلی مارخور موجود ہے۔" راضیہ بولی۔

"ہاں، ضرور یہی ہوتا ہوگا۔" مجیدہ نے ہنس کر کہا۔

"یہ پاکستان میں کہاں کہاں ملتا ہے؟" "یہ اور دوسرے ممالک میں بھی ہوتا ہے، لیکن ہمارے ہاں یہ گلگت، بلتستان، ضلع چترال، ہنزہ کی وادی، وادیٔ نیلم کے کچھ حصوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی یہ ہمیں پاکستان کے شمالی علاقوں میں ملتا ہے۔ ویسے یہ بھارت، افغانستان، کشمیر وغیرہ میں بھی پایا جاتا ہے۔" "مس، کیا آپ نے کبھی مارخور کھایا ہے؟" ناجیہ نے ہلکی سی آواز میں پوچھا۔

"ہاں ہاں بالکل۔۔۔ ایک بار ہم وادیٔ جہلم کے جنگلات میں گئے تھے، وہاں مارخور خود شکار کیا تھا اور پھر کھایا تھا۔ اس کا گوشت بہت ہی لذیذ ہوتا ہے۔" مس حریم کا جواب سن کر سب مسکرانے لگے۔

گھنٹی بج چکی تھی۔ "کل سب مضمون لکھ کر لائیں گے "ہمارا قومی جانور" ٹھیک ہے۔" مس حریم بولیں۔

"ٹھیک ہے۔ ضرور ضرور!!" مس حریم مسکراتی ہوئی جماعت سے باہر نکل آئیں۔

صدیوں پرانا راز

محمد فیصل علی

اُفق پر نیلگوں روشنی پھیل چکی تھی جو صبح کی آمد کا اعلان کر رہی تھی۔ نیجو ،پیجو اور شیجو ابھی تک اونگھ رہے تھے کہ یکایک گاڑی کا شور سنائی دیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ان کی امی پہلے ہی جاگ چکی تھیں۔ گاڑی کے شور اور آدمیوں کی آوازیں سن کر ان کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں پھیل چکی تھیں۔

”کہیں ان کے جانے کا وقت تو نہیں آگیا؟“ وہ دل ہی دل میں بڑبڑائیں۔

ان کے ذہن میں طرح طرح کے خدشات سر اٹھا رہے تھے اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ان کے کمرے کا دروازہ دھکے سے کھلا اور تین چار لوگ اندر داخل ہوئے۔ وہ زور زور سے بول رہے تھے۔ نیجو ،پیجو اور شیجو انہیں سراسیمہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

”ہاں بھئی ، پکڑو انہیں اور ڈالو گاڑی میں ، جلدی ! ! لیٹ ہو رہے ہیں ہم۔“ ایک آدمی نے ان تینوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ لوگ انہیں پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔

ان کی امی ”میں میں میں“ کی صدائیں لگا کر آہ وزاریاں کرتی رہ گئی ، لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوا۔ اسے بچوں کی جدائی کے ساتھ ساتھ ایک دکھ اور بھی تھا ، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ دکھ کیا ہے۔ اسی وقت گاڑی کا شور سنائی دیا اور گاڑی نیجو ، پیجو اور شیجو کو لیے منڈی کی طرف رواں دواں ہوگئی۔ ان کی ماں بی رانی کا دکھ گہرا ہوتا جا رہا تھا اور وہ دھم سے نیچے بیٹھ گئی تھی۔ اس کے لبوں پہ اپنے بچوں کے لیے دعائیں جاری ہوگئیں۔

”ارے میاں ! ! ذرا اس بکرے کی قیمت تو بتانا۔“ ایک لڑکے نے شیجو کو گھورتے ہوئے پوچھا اور شیجو برا سا منہ بنا کر رہ گیا ، اسے اپنا ہونے والا مالک ایک آنکھ کیا ، آدھی آنکھ بھی نہ بھایا تھا۔

”یہ پورے ساٹھ کا ہے۔“ شیجو کے مالک نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے خریداروں کو طیش دلا دیا تھا۔ ”کیا کہا؟؟ پچاس؟“ وہ لڑکا پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

”جی ہاں صاحب جی ! !“ مالک نے اطمینان سے کہا۔

”ہونہہ ! ! ! کیا یہ بکرا کیمیا گر ہے؟؟؟ یا اس کے سینگ سونے کے بنے ہوئے ہیں؟؟“ اس نے جلے کٹے لہجے میں طنز کیا تھا۔

”جو سمجھ لو بھاّ ، اگر تم ایسے ہی تنگ دست ، تنگ دل اور تنگ نظر ہو تو خود پال لیا کرو نہ بکرے ! ! !“ مالک نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور لفظ ”تنگ“ سے کئی سابقے بنا ڈالے۔

”ٹھیک ہے ، ٹھیک ہے مشورے کا شکریہ ، ہمیں بھی مل جائے گا بکرا اور تم یہاں کھڑے سڑتے رہو۔“ اس نے ایک ایک لفظ کو غصے سے چباتے ہوئے کہا۔

”ابے جا اوئے جا۔“ مالک نے غصے سے پتتے ہوئے کہا تو لڑکا منہ بناتا چلا گیا۔

منڈی میں سارا دن یہی تماشا مچا رہا۔ پہلے پہلے تو تینوں بھائیوں نے خوب تفریح کی۔ بھانت بھانت کے آدمی اور رنگا رنگ جانوروں کا میلا جو لگا ہوا تھا ، لیکن آخر کار وہ اکتا گئے۔ اب نیجو ، پیجو اور شیجو کا مارے بھوک اور تھکن کے برا حال تھا۔ آخر خدا خدا کر کے شام ہوئی اور ان کا مالک ناکامی سے منہ لٹکائے واپس گھر روانہ ہوا۔

”امی ! ! ! امی ! ! ! ہم آگئے۔“ تینوں چلاتے ہوئے ماں کی طرف لپکے تو ماں کے کلیجے میں ٹھنڈ سی پڑ گئی۔ وہ ان تینوں کو پیار کرنے لگی۔ وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔

”امی امی ! ! آج میں آپ کو منڈی کے دل چسپ قصے سناؤں گا۔“ پیجو نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں سنانا ، لیکن پہلے کچھ کھا پی تو لو۔“ اس کی امی نے کہا۔

”جی امی ٹھیک ہے۔“ تینوں بچوں نے سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا اور اپنی امی کی بات فوراً مان لی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ سب خوب باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ اب ان تینوں کو نیند آرہی تھی اور وہ جمائیوں پہ جمائیاں لے رہے تھے۔

”امی ! ! !“ پیجو نے صدا لگائی۔

”جی بولو ! !“ ”امی ! ! لگتا ہے کہ آپ ہمیں کچھ بتانا چاہ رہی ہیں؟“ پیجو نے انھیں و غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں بیٹا ! یہ ایک اہم بات ہے ، یہ صدیوں پرانا راز ہے جو تمھیں بتانا ضروری ہے۔“ امی نے سنجیدگی سے کہا۔

”ٹھیک ہے ، کیا یہی ہے وہ راز؟“ شیجو نے چمڑے کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا لہرایا تو بی رانی اچھل پڑیں۔ ”یہ تم نے کیوں اٹھایا تھا ، یہ تو پھٹ گیا ہے ، اف شیجو اف ! ! !“ انور نے وہ دستاویز اس کے ہاتھ سے چھین لی تھی۔

”امی ! ! معاف کر دیں ، یہ میں نے کیا تھا۔“ پیجو نے سر جھکا کر کہا تو بی رانی ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

”چلو کوئی بات نہیں ، اس کا مطلب ہے اب مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہ راز جان چکے ہو؟“ امی نے پوچھا۔

”نہیں امی ! ! ہم یہ راز نہیں جان پائے ، اصل میں ہوا یہ کہ ہم اس دستاویز کو چھیننے لگے تھے ، جس کی وجہ سے یہ پھٹ گئی اور اس کے باقی ماندہ حصے ہوا میں اڑ گئے ، اس لیے۔۔۔“

شیجو نے کہا تو امی سر ہلانے لگیں ، جیسے انھیں بات سمجھ آگئی ہو ، کچھ دیر بعد وہ گویا ہوئیں :

”چلو بچو میں تمھیں ساری بات بتاتی ہوں۔ صندوق میں جو کاغذات پڑے تھے ، یہ صدیوں سے ہم جانوروں کے خاندان میں چلے آرہے ہیں ، ان میں ایک راز ہے۔ وہ راز یہ ہے کہ ہم اپنا مقصد جان لیں اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم نے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا ہے ، اللہ تعالیٰ کے لیے۔ ہم سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انسانوں کی خدمت کرتے ہیں ، ان کے لیے سواری بن کر ، انھیں گوشت اور دودھ فراہم کر کے اور اس کے علاوہ ہمارا ایک مقصد سنّتِ ابراہیمی کی ادائیگی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنا بھی ہے۔“ ”سنّتِ ابراہیمی کیا ہے امی؟“ پیجو نے پوچھا۔ وہ تینوں یہ باتیں توجہ سے سن رہے تھے ، امی گویا ہوئیں :

”سنّتِ ابراہیمی سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت اور طریقہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے شیر خوار بیٹے اور بیوی کو ایک ویران جگہ پر چھوڑ دیا تھا۔ ان دونوں کی وجہ سے وہ جگہ آباد ہوئی اور آج اسے مکہ مکرمہ کہا جاتا ہے۔ ان کی بیوی کا نام ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے کا نام حضرت اسماعیل علیہ السلام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں نفوس کی مدد کی اور ان کے لیے اس پتھریلی زمین سے پانی کا چشمہ جاری کیا ، جسے آج زم زم کہا جاتا ہے۔ پانی کو دیکھ کر وہاں سے گزرنے والا قافلہ

انور رکشے والا

محسن ابڑو حیدری

جون کی 13 تاریخ کو حیدر آباد میں گرمی اپنے عروج پر تھی۔ گویا سورج سوا نیزے پر آ گیا ہو۔ انور صبح سے حلال روزی کی تلاش میں پٹھان کالونی اسٹاپ پر کھڑا سواریوں کی راہیں تکنے لگا۔ گرمی کی وجہ سے آج لوگوں کی آمد و رفت معمول سے کم تھی۔ دوپہر کے ساڑھے تین بج چکے تھے، مگر آج صبح سے کوئی بھی سواری انور کے پاس نہ آ سکی۔

انور بہت پریشان تھا کہ اب کیا کرے، صبح سے ایک بھی سواری نہیں ملی۔ شام کو سات بجے گھر بھی جانا ہے، بیوی کی طبیعت بھی ناساز ہے، اس کو دوا دلانی ہے۔ وہ مایوسی کی کیفیت میں گھر جا چکا تھا، اچانک اسے خیال آیا نہیں، انور پریشان نہ ہو، اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔ وہ ضرور کچھ نہ کچھ اسباب بنائے گا۔ بتا کبھی تو بھوکے پیٹ سویا ہے، جو تو آج گھبرا رہا ہے۔ اللہ کا نام لے اور صبر کر۔

کچھ ہی دیر میں ایک سفید پوش بزرگ آئے اور کہنے لگے: "بھئی! جام شورو چلنا ہے، چلو گے؟"

انور بولا: "جی ہاں بابا! چلیں گے۔"

"کتنے پیسے لگیں گے بھئی؟" بابا نے پوچھا۔ "بابا جو مناسب ہوں وہ دے دیں، انور نے جواب دیا۔"

"ٹھیک ہے، 100 روپے لے لینا۔" اب انور دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ 100 روپے تو بہت کم ہیں، اوپر سے جام شورو سے خالی آنا پڑے گا، مگر اس نے سوچا صبح سے یہی سواری لگی ہے۔ اللہ کا نام لے کر چلا جاتا ہوں، بزرگ بھی ہیں دعا بھی دیں گے، جیسے یہاں سے جام شورو کی سواری لگی ہے، اسی طرح وہاں سے بھی حیدر آباد کی بھی ضرور لگے گی، اللہ بہت بڑا ہے، چناں چہ انور نے بابا کو بٹھایا اور جام شورو چل پڑا۔

تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ انور نے دیکھا کہ ایک رکشے والا سڑک کے کنارے پریشان نظر آ رہا ہے۔ انور اس کے پاس گیا، خندہ پیشانی سے ملا اور پوچھا: "ہاں بھئی! کیا مسئلہ ہے بتاؤ، شاید میں کچھ مدد کر سکوں؟" دوسرے رکشے والے نے کہا: "ہاں یار! پیٹرول ختم ہو گیا ہے، تھوڑا پیٹرول درکار ہے۔" انور کہنے لگا: "بھئی! تھوڑا سا پٹرول میں دے دیتا ہوں، آگے پمپ سے بھروا لینا۔" دوسرے رکشے والے نے کہا: "یار! رکشے میں دوسرے بھی فالٹ ہیں۔ مجھے بہت وقت لگے گا رکشے کو ٹھیک کروانے میں، تم کہاں جا رہے ہو؟ میں نے ان بندوں کو جام شورو لے جانا تھا، اب ایسا کرو تم لے جاؤ۔" انور نے کہا: "ٹھیک ہے بھئی، ضرور! میں ویسے بھی جام شورو جا رہا تھا۔" چناں چہ اب دو مزید سواریاں بھی انور کو مل گئیں۔ انور نے دونوں کو جام شورو پھاٹک پر چھوڑا۔ دونوں نے 200 روپے انور کو دیے۔ اب بزرگ کو بھی منزلِ مقصود تک لے جانے لگا۔ اچانک ان بزرگ کی طبیعت بگڑنے لگی۔ انور نے فوراً بزرگ کو ہسپتال پہنچایا۔ ایمرجنسی میں چیک اپ کروایا، بزرگ کا بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا۔ انور اب حیدر آباد جانے لگا تو ہسپتال میں ہی اسے یاد آیا کہ بابا کے پاس ان کا اپنا تو کوئی ہے نہیں۔ انھیں یوں تنہا چھوڑ کر جانا کسی بھی لحاظ سے مناسب نہیں، چناں چہ بابا کے پاس واپس آیا اور کہنے لگا: "بابا! آپ کے پاس اپنے گھر والوں کا کوئی اتا پتا ہے؟ تاکہ میں انھیں آپ کا بتا دوں اور وہ یہاں آ کر آپ کی دیکھ بھال کریں۔" بابا نے جیب سے چھوٹی سی ڈائری نکالی، اس میں بابا کے بیٹے اکمل کا نمبر درج تھا۔

انور نے اکمل صاحب کو کال کی اور کہا: "آپ کے والد صاحب حیدر آباد سے جام شورو آ رہے تھے، راستے میں ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ اب میں جام شورو ہسپتال میں انھیں لے آیا ہوں، وہ الحمد للہ خیر و عافیت سے ہیں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ہسپتال آ جائیں، میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔" تھوڑی دیر میں اکمل، انور کے پاس پہنچ گیا۔ آتے ہی بابا جان کی قدم بوسی کی اور انور کا بے حد شکریہ ادا کرنے لگا۔

یہاں تک کہ اس نے انور کو 1000 روپے خوشی سے دیے، مگر انور نے کہا: "ارے نہیں پیارے! اس کی کوئی بات نہیں، یہ تو میرا فرض تھا۔ تب ہی میں نے سب کچھ ادا کیا۔ شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ مجھے بس 100 کرایہ جو طے ہوا تھا، وہ دے دیجیے اور یہ 1000 آپ رکھیے۔" بابا کی خدمت کیجیے گا اور ہمارے حق میں دعا کیجیے گا۔ آج میں آپ کے کام آیا ہوں کل ضرور کوئی نہ کوئی میرے کام آئے گا۔

کیوں کہ قدرت کا یہ سنہری قانون ہے کہ "بھلائی کر بھلا ہو گا۔"

وہیں مقیم ہو گیا۔ یہ قبیلہ جرہم کے لوگ تھے اور پھر بہت جلد اس ویران جگہ میں آبادی ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد ابراہیم علیہ السلام لوٹے تو وہاں کی چہل پہل دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انھوں نے اپنے بیٹے اور بیوی کو تلاش کیا اور سارا ماجرا پوچھا۔ "امی نے یہاں تک سنا کر ایک گہری سانس لی پھر کہنے لگیں:

"ان دونوں کی کہانی سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے کہ اللہ نے ان کے کنبے کی کیسے مدد کی، کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں خواب کے ذریعے حکم دیا کہ اپنے بیٹے کو قربان کریں چوں کہ نبی کا خواب وحی ہوتا ہے، اس لیے انھوں نے اس خواب کا ذکر بیٹے سے کیا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کیا جائے۔ ان کے بیٹے بھی اللہ کے نبی تھے، لہٰذا وہ فوراً تیار ہو گئے۔ اب وہ ایک ویران جگہ پہنچے اور اپنے بیٹے کو باندھ کر اللہ کے نام پر قربان کرنا چاہا، لیکن اللہ کا حکم آیا اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے اسماعیل علیہ السلام کو ہٹا کر ان کی جگہ ایک دنبہ رکھ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے چھری چلانے کے بعد اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو وہ ششدر رہ گئے کہ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ایک دنبہ قربان ہوا پڑا ہے، اسی وقت آواز آئی:

"اے ابراہیم!! آپ نے اپنا خواب سچا کر دکھایا، یہ بڑی آزمائش تھی جس میں آپ پورے اترے ہو۔" اب مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ سنّت ابراہیمی کو ادا کرتے ہوئے قربانی کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے سچے جذبے کی یاد زندہ رہے۔ ہمیں فخر ہے کہ یہ سنّت ہم جانوروں کے ذریعے ادا ہوتی ہے، اس لیے ہم اپنے بچوں کو پال پوس کر انھیں ان کا مقصد بتاتے ہیں تاکہ وہ خوش دلی سے اللہ کی راہ میں قربان ہوں۔" امی یہاں تک کہہ کر رک گئیں۔ انونس نے دیکھا کہ نیجو، شیجو اور پیجو کے چہروں پہ جوش و ولولے کے تاثرات عیاں ہیں، اسی وقت پیجو کی آواز سنائی دی:

"امی امی!! کیا ہم بھی سنّتِ ابراہیمی کو ادا کریں گے؟" "ہاں تو اور کیا، مجھے فخر ہے کہ میرے تینوں بچے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کریں گے۔" ان کی امی نے کہا، لیکن ان کا لہجہ مادرانہ شفقت کی وجہ سے بھرّا گیا تھا۔ امی کی یہ بات سن کر تینوں ان سے لپٹ گئے اور امی انھیں پیار کرنے لگیں۔ اب وہ چاروں قربانی کے جذبات سے سرشار تھے، کیوں کہ جان کی قربانی سے زیادہ اہم یہ تھا کہ یہ حکم کس کا ہے۔

"اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کے لیے" بی رانی زیرِ لب یہی الفاظ دہرائے جا رہی تھیں، کیوں کہ یہی تو صدیوں پرانا راز تھا۔ یہ الفاظ ان کے دلوں میں سکون اور مضبوطی پیدا کر رہے تھے۔ کچھ دنوں بعد عید کے روز شیجو، پیجو اور نیجو قربان ہونے کے لیے زمین پر لیٹے ہوئے تھے، ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ دل ہی دل میں کہہ رہے تھے: "اللہ تعالیٰ کے لیے، اللہ تعالیٰ کے لیے۔"

ضرب المثل کہانی

صبح کا پیالہ...

ڈاکٹر الماس روحی

جب وہ چھوٹا سا تھا۔ صبح سویرے اٹھتا تھا۔ دادا جان کے ساتھ باغ کی سیر کو جاتا تھا۔ دادا جان کے ساتھ ناشتا بھی کرتا تھا۔ اسے انڈہ پراٹھا بہت پسند تھا' پھر اسکول جانے کی تیاری کرتا' ہر کام جلدی جلدی کرتا۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹا سا بستہ لٹکا کر اسکول جانے کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ نام تو اس کا زید بن علی تھا' لیکن پیار سے سب اسے ٹیپو کہتے تھے۔ وہ بھولا بھالا سچا بچہ تھا۔ ماں کی آنکھ کا تارا اور ابّا کا پیارا تھا۔ دادی کا منّا تھا اور دادا کا راج دُلارا تھا۔ مگر تھوڑا سا عقل کا کچا تھا' پھر بھی جھوٹ سے بچتا تھا۔ سچی بات وہ کہتا تھا۔ بڑوں کی بات مانتا تھا۔ وعدے کا سچا تھا' پھر ہوا یہ کہ زید بڑا کیا ہوا بولتا چلا گیا۔ اب کپڑے اس کے چھوٹے ہو گئے تھے' پیر بڑے ہونے پر جوتے بھی تنگ ہو چکے تھے۔ جہاں اس کے کپڑے جوتے بدلے گئے' وہاں اس کا مزاج بھی بدل گیا۔

وہ گرمی کے دن تھے۔ سارے بچوں کی سرگرمیاں کم ہو گئی تھیں۔ بچے زیادہ تر اپنے گھر میں رہتے تھے۔ دادی کو دھوپ میں نکلنے پر اعتراض تھا۔ "ہائے ہائے بچوں کا دھوپ میں رنگ جل جاتا ہے۔ بچے دھوپ میں کھیل کھیل کر کالے بجھنگ ہو جاتے ہیں' پھر انسان کے کم جن کے بچے زیادہ لگتے ہیں۔" اس لیے جب بھی وہ اور دادا جی گھر سے باہر نکلتے ان کی جیب میں دادی پیاز ضرور رکھتیں۔ یہ گرمی سے بچاؤ کا دادی کا ٹوٹکا تھا۔ وہ کثرت سے پانی پلاتی تھیں اور کہتی تھیں "دیکھو لُو کو بھانپ لو اور اپنے سروں کو ڈھانپ لو۔" گھر میں پھل' سبزیاں خوب آتیں۔ دادی جان لیمو اور لال رنگ کا ٹھنڈا ٹھنڈا شربت بنواتیں اور وہ بھی غٹا غٹ پی جاتا' مگر جیسے ہی دادی جان دوپہر میں تھوڑا آرام کرتیں۔ وہ آنکھ سے اوجھل ہو جاتا اور میدان میں جا کر گلی ڈنڈا کھیلتا۔ اب وہ صبح کا ناشتا نہ کرتا تھا۔ اس لیے روز بروز وہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ دادا جان اکثر اسے سمجھاتے۔ "صبح کا پیالہ اکسیر کا نوالہ" ہوتا ہے' جو بچے ناشتہ نہیں کرتے وہ بیمار پڑ جاتے ہیں۔ اس روز اس نے ناشتا نہیں کیا تھا اور وہ نہار منہ اسکول چلا گیا۔ آج اس کا دل پڑھائی میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ کاہل اور سست لگ رہا تھا۔ اس کے استاد اسے سخت سست کہہ رہے تھے۔ وہ نڈھال اسکول سے گھر پہنچا۔ آج امی کو کھانا پکانے میں دیر ہو گئی تھی۔ زید کو شدید غصہ آ رہا تھا' دوپہر میں وہ بھوکا سو گیا اور پھر عصر کے وقت اٹھا۔ تھوڑا بہت کھانا کھایا۔ یہ اس کا معمول بن چکا تھا۔ امی ابو بہت پریشان تھے۔ وہ نہ اب کھیلتا تھا' نہ باہر جاتا تھا' پھر آئے دن اسکول سے غیر حاضر ہوتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے دوست اس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ وہ جماعت کا سب سے کم زور بچہ بن چکا تھا۔ کم کھانے سے وہ چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ہر بات اسے بری لگتی تھی۔ دادا جان کو اس کی بڑی فکر تھی۔ وہ باغ کی چہل قدمی کے دوران گھر اور گھر سے متعلّقہ مسائل کے بارے میں سوچتے اور اس کا حل تلاش کرتے۔ زید ان کا چہیتا پوتا تھا۔ وہ باغ میں صبح سویرے ان کے ساتھ آتا تھا' اس کا ساتھ انہیں بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ ہر چیز کے بارے میں دادا جان سے پوچھتا تھا۔ اس کے سوالوں کی بوچھاڑ سے وہ نہیں گھبراتے تھے' بلکہ دھیرے دھیرے اسے گھنٹوں سمجھاتے تھے۔ اس اچانک تبدیلی نے پوتے کو دادا سے دور کر دیا تھا۔

یہ اپریل کی صبح تھی۔ موسمِ سرما کا اثر مکمل طور پر ختم ہو چکا تھا۔ سورج اور دھوپ کی شدید حرارت سے فضا گرم ہو چکی تھی۔ پیاس کی شدّت بڑھ چکی تھی۔ اسی لیے دادا جی نے صبح کی ابتدا چائے کے بجائے کسی ٹھنڈے مشروب سے کرنا چاہی۔ لسّی بنوائی' دودھ' دہی' مکھن سے آج کا ناشتا سجایا گیا تو زید بھی ناشتہ دادا جان کے ساتھ کرنے لگا۔ روزانہ ایک جیسا ناشتہ کرتے اس کا جی بھر چکا تھا۔ اتنے دن بعد زید کو ناشتا کرتے دیکھ کر سب حیران تھے۔ دادا جان نے سختی سے گھر میں منع کر دیا۔ مرغی' مچھلی' گائے' بکرے کے گوشت کے بجائے سبز پتّوں والی سبزیاں اور دالیں زیادہ استعمال کی جائیں۔ دادی جان نے بھی کھانے کے ہم راہ انار دانہ' پودینہ یا دھنیا کی چٹنی پیاز اور سلاد کا استعمال کرنے پر زور دیا۔ کھانے کی تبدیلی کا زید پر اچھا اثر پڑا۔ وہ کھیل نہیں سکتا تھا۔ کم زوری سے سانس پھولنے لگتا' طبیعت میں اکتاہٹ آ گئی تھی۔ ہشّاش بشّاش بچے اسے برے لگتے تھے۔ اس کے اپنے دوست اس سے بیزار اور دور ہو گئے تھے۔ اکثر جماعت میں اسے استاد سے ڈانٹ پڑتی تھی۔ ہر کام وہ سُست کرتا تھا اور بچوں سے پیچھے رہ جاتا تھا۔ سخت دھوپ میں تو وہ نڈھال ہو جاتا تھا۔ اس روز دادا جان اسے اسکول لینے آئے۔ راستے سے چھجے دار تنکوں کی بنی ہوئی دو ٹوپیاں لیں' ایک خود پہنی اور دوسری زید کو پہنائی۔ "یہ کیا ہے دادا جان؟" "یہ ٹوپیاں ہیں' تاکہ سورج کی شعاعیں براہ راست ننگے سر یا گردن پر نہ پڑیں۔ ورنہ سر درد' بخار' نزلہ جیسی بیماریاں حملہ کر سکتی ہیں۔" وہ گھر پہنچے تو اس کی امی نے اسے سوتی کپڑے پہننے کو کہا' مگر میں کیوں پہنوں مجھے تو گرم کپڑے اچھے لگتے ہیں۔ امی جان نے اسے سمجھایا۔ ہمیں موسم کے ساتھ خود کو بدلنا پڑتا ہے۔ گرم کپڑے پہنو گے تو گرمی بہت لگے گی۔ نہ اچھی طرح کھیل سکو گے' نہ کھا سکو گے۔ سوتی کپڑے گرمی میں ہمارے جسم کو ٹھنڈا رکھتے ہیں۔ دادی جان بولیں: "ہاں بیٹا! ریشمی گرم کپڑے گرمی میں پہننا تو اپنے جسم پر ظلم کرنا ہے۔" رات ہوئی سب نے صحن میں اپنی چارپائیاں لگا لیں۔ دادا جان نے مچھر دانی لگائی۔ دادی جان نے اپنے پیروں پر سرسوں کے تیل کی مالش کی۔ اس نے حیرت سے دیکھا۔ "دادا جان! ہم یہ سب کیوں کرتے ہیں؟" دادا جان مسکرائے۔ "مچھر دانی لگانے اور سرسوں کے تیل کا پیروں میں مساج کی وجہ مچھر سے بچنا ہے۔ اس طرح ہم مچھروں سے محفوظ رہ سکتے ہیں' ورنہ ملیریا بخار کا خطرہ ہوتا ہے۔" روز ہی وہ دادا جان کے ساتھ تربوز' آلو بخارے اور فالسے کھاتا۔ موسم کے پھل کھانے سے اسے بھوک لگتی' صبح کا ناشتا کرتے وقت دادا جان سے وہ کہہ رہا تھا۔ "اب تو میں اچھا بچہ بن گیا ہوں' صبح ہی صبح آپ کے ساتھ ناشتا کرتا ہوں۔" دادا جان بولے: "یہ تو اچھی بات ہوئی ناں۔ ناشتا وہی بچے کرتے ہیں' جنہیں بہت کام کرنے ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو بڑے کہتے ہیں: "صبح کا پیالہ اکسیر کا نوالہ۔" دادا جان کی بات سن کر زید ہنس پڑا۔"

ضرب الامثال

صبح کا پیالہ اکسیر نوالہ: صبح سویرے تھوڑا سا کھانا مفید ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ

ٹوٹکا۔ گھریلو علاج	کثرت۔ زیادہ
بھانپ لو۔ سمجھ جاؤ	اوجھل۔ غائب
متعلّقہ۔ جڑے ہوئے	ہشّاش بشّاش۔ تروتازہ

دانی بہت پچھتایا

سمیرا انور

"دانی بھیّا! آپ کہاں جا رہے ہیں؟" ریّان نے کمرے سے باہر آتے ہوئے اس سے پوچھا۔ دانی نے دنبے کی رسی تھام رکھی تھی اور چپکے سے باہر نکل رہا تھا۔ دانی میاں نے جب چھوٹے بھائی کی آواز سنی تو جلدی سے دنبے کو اپنے پیچھے کر لیا۔ دراصل دانیال عرف دانی کے ابو جان عید قربان کے لیے ایک دنبہ خرید کر لائے تھے' انھوں نے بچوں' دانیال اور ریّان کو تاکید کی تھی کہ وہ دنبے کو گھومانے کے لیے ہر وقت باہر نہ لے جائیں' بس شام کے وقت کچھ دیر کے لیے لے جائیں۔

"دیکھو بیٹا! تمہارے بہت سے ایسے دوست ہوں گے جو اپنی مالی مشکلات اور کچھ مجبوریوں کی وجہ سے قربانی نہیں دیں گے۔ تمہارے دنبے کو دیکھ کر ان کے دل میں حسرت پیدا ہو گی اور اس کے علاوہ کچھ دوستوں سے تمہاری لڑائی بھی ہو سکتی ہے۔" ابو جان نے دونوں بچوں کو سمجھایا۔

ریّان اپنے ابو جان کی بات سمجھ گیا' لیکن دانیال نے سنی ان سنی کر دی۔ وہ جب ابو جان گھر میں نہ ہوتے تو دنبے کو دن میں دو تین بار باہر اپنے دوستوں کے پاس لے جاتے۔

"دانش میاں! تمہاری گائے بھی میرے دنبے کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔" دانیال کے لہجے میں تکبر جھلکنے لگا۔

"ارے بھئی' گائے اور دنبے کا مقابلہ تھوڑی ہوتا ہے' کہاں گائے اور نازک سا اون کا دنبہ۔۔۔۔" یہ کہتے ہوئے دانش ہنسنے لگا۔ اس کی بات سن کر دانیال غصے میں آ گیا۔

"تو ٹھیک ہے آج شام میرے دنبے اور تمہاری گائے کا مقابلہ ہو گا' دیکھتے ہیں کون کتنے پانی میں ہے۔" دانیال کی بات سن کر سب دوست قریب آ گئے اور اسے سمجھانے لگے۔

"دانی! چھوڑو یار' بھلا گائے اور ننّھے دنبے کا کیا مقابلہ' دونوں میں بہت فرق ہے۔ تم کیوں اس کے ساتھ دماغ لڑاتے ہو۔" "نہیں' شام میں سب سامنے آ جائے گا۔" دانیال کا رنگ لال پیلا ہو رہا تھا۔ ریّان کچھ فاصلے پر اپنے دوستوں کے ساتھ ہاکی کھیل رہا تھا' اس نے جب اپنے بھائی کی آواز سنی تو بھاگا چلا آیا۔

"چھوڑیں بھیّا! آپ گھر چلیں۔" ریّان نے دنبے کی رسی کھینچی اور بھائی کا بازو پکڑا اور گھر لے آیا۔ امی جان کو جب ساری بات معلوم ہوئی تو انھوں نے اسے پیار سے سمجھایا' لیکن دانیال کے سر پر مقابلے کا بھوت سوار تھا۔

ریّان نے ڈرتے ہوئے ابو جان کو بھی نہ بتایا۔ شام آن پہنچی' دانیال امی اور ریّان کے منع کرنے کے باوجود دنبے کو لے کر دوستوں کے پاس پہنچ گیا۔

"تم سمجھتے ہو گے کہ میں نہیں آؤں گا۔ بزدل ہوں' میدان سے بھاگ جاؤں گا۔" دانیال نے دانش کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔ دانش کی گائے بھی گھاس چر رہی تھی۔ دانیال کی بات سن کر دانش بھی آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اپنی گائے کو دانی کے دنبے کے سامنے لا کھڑا کیا۔ دنبہ گائے کو دیکھ کر بدکا اور پیچھے ہوا۔ گائے نے اپنے سینگ سیدھے کیے اور دنبے کی طرف بھاگی۔ بچے ڈر کے مارے چیخنے لگے۔ دنبہ آگے اور گائے اس کے پیچھے۔ ارد گرد کے لوگ اکٹھے ہو گئے۔ دونوں سڑک کے قریب پہنچ گئے کہ اچانک سے ایک کار نے بیک وقت دونوں کو ٹکر دے ماری۔ گائے بے قابو ہو کر سڑک پر گری اور اس کا ایک سینگ ٹوٹ گیا۔ دنبے کی ٹانگ ٹائر کے نیچے آئی اور بری طرح کچلی گئی۔ دانیال بھاگ کر اپنے دنبے کے پاس پہنچا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ پچھتاوے اور شرمندگی کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔ دانش بھی خاموشی سے گائے کی رسی تھامے وہاں سے چلا گیا۔ وہ اپنے تکبر کی وجہ سے قربانی کی خوشی سے محروم ہو چکا تھا' کیوں کہ دونوں جانوروں کی قربانی اب جائز نہیں تھی۔

"بڑے جس بات سے روکتے ہیں' اس سے رُک جانا ہی عقل مندی ہے اور ان کا سمجھانا کبھی غلط نہیں ہوتا۔" دانیال میاں کو اپنے ابو کی باتیں اب سمجھ میں آئی تھیں' لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔

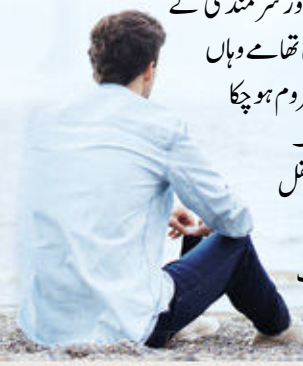

گرمی نے پھر رعب جمایا

صاعقہ علی نوری

گرمی نے پھر رعب جمایا
پتا پتا ہے مرجھایا
سورج نے بھی جوش دکھایا
شیر بنا دن بھر غرّایا
دور افق پر کچھ لہرایا
منا دیکھ کے یوں گھبرایا
سورج پر ہے کس کا سایا
کرنوں نے کیوں منہ کو چھپایا
تیز ہوا کا جھونکا آیا
اس نے آ کر سب بتلایا
اڑتا اڑتا بادل آیا
ساتھ میں اپنے پانی لایا
بادل نے پانی برسایا
پھولوں پتّوں کو نہلایا
باجی آئی بھیا آیا
موسم سب کے من کو بھایا
بارش سے جب لطف اٹھایا
منے نے بھی شور مچایا
سب کو اپنے پاس بلایا
دادی اماں نے سمجھایا
کہنے کو بے رنگ ہے مایا
لیکن جیون کا سرمایا
ناداں انساں پھر پچھتایا
جس نے پانی کو ہے گنوایا

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi
1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore
19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے ایمہ عباسی کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

عنشہ احمد، کراچی

سارہ جنید معہد الخلیل، کراچی

امان اللہ، یو کے

مریم حسین

آمنہ احسان، فیصل آباد

سائرہ ملک، کراچی

عمر محی الدین

سلمان یوسف سمیجہ

پیارے بچو!

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عیدالاضحیٰ ہجری کیلنڈر کے آخری مہینے یعنی ذی الحج کی 01 تاریخ کو منائی جاتی ہے۔اس عید پر جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے' جس کی وجہ سے اسے عید قرباں یا بقرہ عید بھی کہا جاتا ہے۔۔۔اس کو کچھ لوگ بکرا عید بھی کہہ دیتے ہیں۔

اس میں طرح طرح کے جانور لائے جاتے ہیں۔۔۔اور سنت ابراہیمی کے جذبہ کے ساتھ۔۔۔جانوروں کی خدمت کی جاتی ہے۔۔۔لیکن ایک بات بتائیں۔۔۔اگر آپ کا جانور کسی وقت ٹہلنے سے انکار کر دے۔۔۔تو آپ کیا کرتے ہیں۔۔۔؟؟؟

یقیناً آپ ایسا کوئی عمل نہیں کرتے ہوں گے جس سے جانور کو تکلیف پہنچے۔۔۔کیوں کہ یہ جانور ذبح ہونے کے بعد اللہ تعالی کے پاس جا کر ہماری سفارش کریں گے۔۔۔اسی طرح ان کی صفائی ستھرائی۔۔۔اور آس پڑوس کو ہمارے جانور یا اس کے چارے یا کسی گندگی سے بالکل تکلیف نہ ہو۔۔۔

اور۔۔۔ایک بات تو رہ ہی گئی۔۔۔کم از کم یہ بات تو اپنے دل میں لانی ہی نہیں کہ ہمارا جانور اچھا ہے۔۔۔فلاں دوست کا تو بالکل ہی کمزور ہے۔۔۔اسی طرح یہ کہنا سوچنا بھی ٹھیک نہیں ہمارا جانور اچھا نہیں' دوسرے کا اچھا ہے۔۔۔

اس طرح کی سوچ سے ڈر ہے کہ نیت سے اخلاص نکل نہ جائے۔۔۔

ایک بات اور۔۔۔جانور کو ذبح کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اسے کم سے کم اذیت پہنچے۔

اور آخری بات گوشت بننے کے بعد اپنے ان دوستوں اور رشتہ داروں کا حصہ بھی نکالنا چاہیے' خاص طور پر جن کے گھر قربانی نہ ہوئی ہو۔۔۔

اور ان سب باتوں پر عمل بھی کرنا ہے۔۔۔تو کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ!!!!!

جولائی 2021ء کے سوالات

سوال نمبر 1 : ہاتھی کی سونڈ میں کتنے مسل ہوتے ہیں۔۔؟

سوال نمبر 2 : مانو کی بیٹیوں کے کیا نام تھے۔۔؟

سوال نمبر 3 : ٹڈی دل سندھ کا رخ کب کرتے ہیں۔۔۔؟

سوال نمبر 4 : چیچو میچو کیوں سست رہنے لگی تھیں۔۔۔

سوال نمبر 5 : احمر نے احمد کے تحفہ کا کیا کیا۔۔؟

اپریل 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1 : تالاب میں چھلانگ لگادی

جواب 2 : دوپہر والی سبزی شکر ادا کر کے کھالی

جواب 3 : گلاب میاں نے سب کو سمجھایا

جواب 4 : بیٹا میں چاہتا ہوں تم ایسے شہزادے بنو جس سے تمھارے دین وملت کو خوب نفع پہنچے۔۔۔

جواب 5 : آسمان سے پانی کا ڈول آیا

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام' عمر' کلاس اسکول' مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03162339088

بلا عنوان کا عنوان

اپریل 2021ء میں ارم شمیم کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے آمنہ نور کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔انہوں نے عنوان دیا ہے

نیکی کا کنواں

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

اپریل 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

حفصہ وسیم

کو شاباش

انہیں 300 روپے کا انعام مبارک ہو!

مجھ کو مولا سے میرے ملا دیجیے!

ساجدہ بتول

میرے پیارے نبی ، مَیں ہُوں اِک اُمّتی
مُجھ کو مولا سے میرے مِلا دیجیے

روزِ محشر شفاعت کی مُحتاج ہوں
مُجھ سے اُس کے دُکھوں کو ہٹا دیجیے

اَے مِرے قلب و جاں ، اَے مِرے سائباں
غم میں دُکھ کی گھڑی میں خُوشی کے سماں

اے مِری راحتوں کی حسیں داستاں
میرے دل میں خُدا کو بسا دیجیے

آپ کی یاد سے آنکھ بھرتی رہی
دل مچلتا رہا ، رُوح تڑپتی رہی

دیجیے کچھ تسلّی اِسی درد کی
سر پہ دستِ مُبارک سجا دیجیے

غم کی صُورت بنی سامنے ہُوں کھڑی
ہے لگی آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی

دل میں ہے درد کی کیفیت بھی چھڑی
اب تو روضے سے جلوہ دکھا دیجیے

اے مِرے دل کے مالِک ، اے جاں کی بقا
ہو رہُوں کاش اب آپ میں مَیں فنا

دُوں مَیں اب ذات اپنی مُکمّل مِٹا
آپ مُجھ کو یُوں خُود میں سما دیجیے

میرے اپنے گُناہوں کی یہ ہے سزا
کہ بھری بزمِ دُنیا میں تنہا کِیا

مُجھ سے رُوٹھا ہے رب میرا اے کِبریا
ہائے مُجھ کو مُعافی دِلا دیجیے

اے مِرے پیارے آقا ، اے خاتم نبی
میرے خطّے میں ہے مِرزے کی گندگی

گُمرہی پھیلی جاتی ہے ہر ہر گلی
نظرِ ختمِ نبوّت اُٹھا دیجیے

حُسنِ ناز و ادا نازِ حُسن و ضُحیٰ
غُنچہ نازنیں ، نازکی کی بقا

پیاری صُورت ، وہ من موہنی سی ادا
منظرِ حُسن یہ اب دکھا دیجیے

اے مِرے پیارے آقا اے میرے نبی
مُجھ کو مولا سے میرے ملا دیجیے

مجھ کو قدموں میں اپنے بٹھا لیجیے
مجھ کو کملی میں اپنی چھپا لیجیے

میری آہوں پہ اب رحم کھا لیجیے
میری اب سسکیوں کو ہنسا دیجیے

مَیں بتُول اب کبھی پھر مدینہ چلُوں
اُن کے در پہ مَیں یہ عَرض ساری کروں

اور پھر سر جھکا کے ، تڑپ کے کہوں
اپنے قدموں میں مُجھ کو سُلا دیجیے۔۔۔

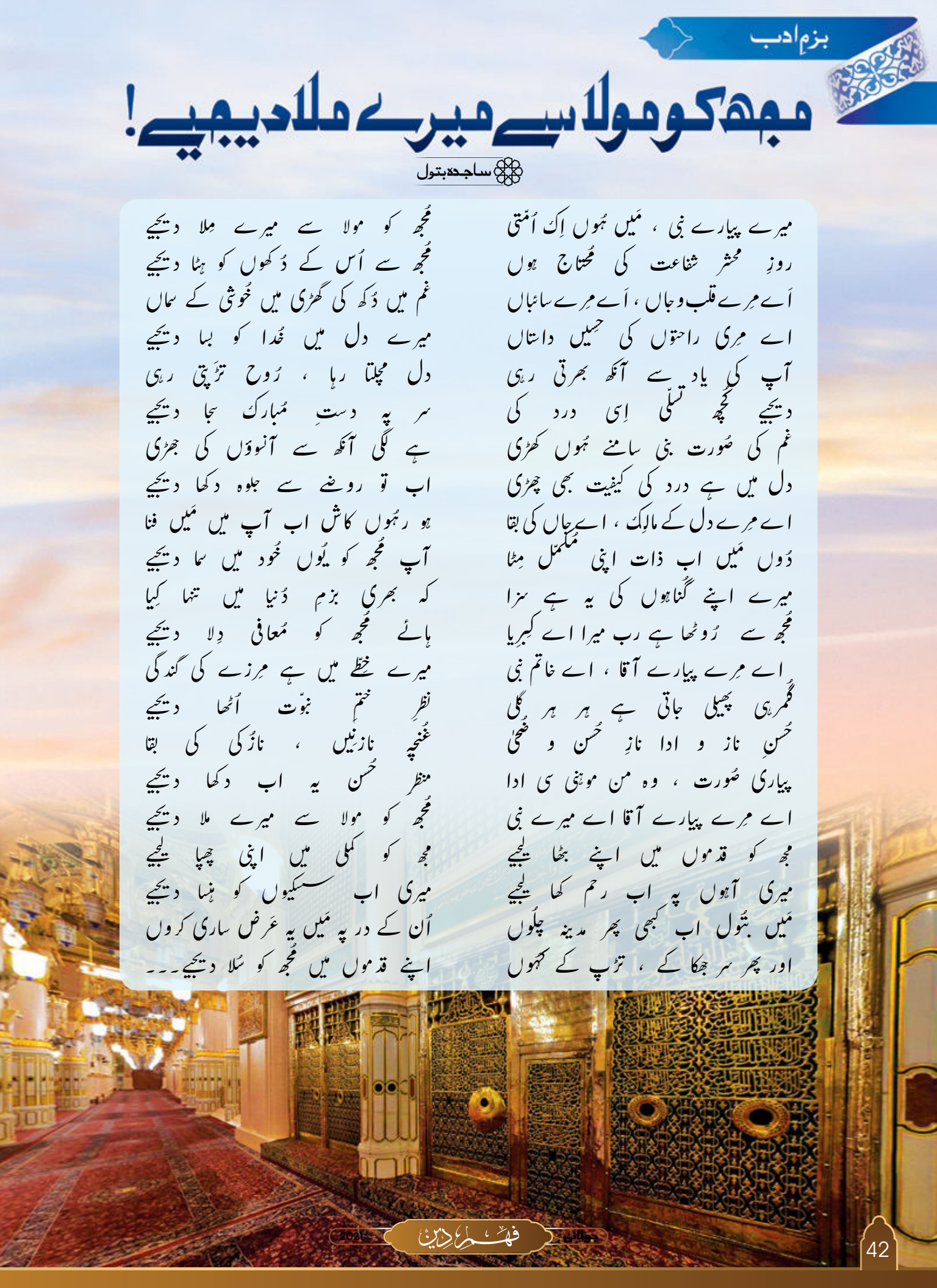

نفسانفسی

جوہر عباد

وحشتوں نے یوں ڈیرے ڈالے ہیں
دل کے ارماں سبھی نکالے ہیں
پیٹھ پیچھے جنھوں نے وار کیا
ارے وہ لوگ دیکھے بھالے ہیں
خود سے بڑھ کر جنھیں اپنا سمجھا
تیر اُن کے ہی تو سنبھالے ہیں
جو ہیں موقع کے چشم دید گواہ
ان کے ہونٹوں پہ لگے تالے ہیں
وہ ہی ڈستے رہے ہیں اکثر
سانپ جو آستیں میں پالے ہیں
جھوٹ یوں بولیں کہ سچا روئے
لوگ ایسے بھی ہنر والے ہیں
دل مضطر کے بالا خانوں میں
تلخ یادوں کے لگے جالے ہیں
چھا گئی ہے منافقت اتنی
تن تو اُجلا من کے کالے ہیں
کوئی خوفِ خدا نہیں جن کو
اُن کے انداز ہی نرالے ہیں
فاصلے بڑھتے گئے رشتوں میں
اب تو ماں باپ بوجھ والے ہیں
خود پرستی و خود پسندی نے
ہر نفس پر ہی ڈیرے ڈالے ہیں
ہاتھ سے نکلا جارہا ہے لحاظ
اب تمیز و ادب کے لالے ہیں
پھر بھی مایوس نہ ہو جوہؔر کہ
رات کے پردوں میں اُجالے ہیں

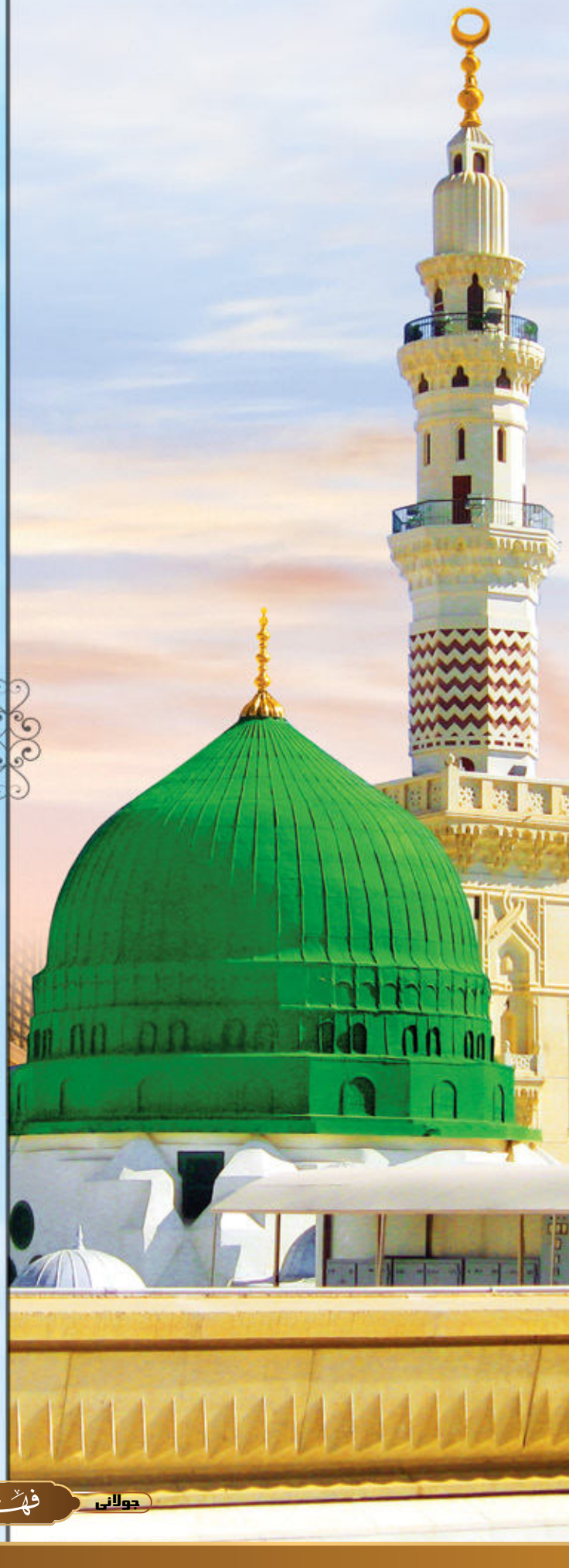

گلدستہ

عبدالرحمن، ابوبکر جامعہ بیت السلام، کراچی

اللہ کی طرف سے ندا

میں نور کے تڑکے میں جس وقت اٹھا سو کر!
اللہ کی رحمت کے دروازے کھلے پائے!
آتی تھی صدا پیہم جو مانگنے والے ہو!
ہاتھ اپنی عقیدت سے آگے میرے پھیلائے!
جو رزق کا طالب ہو میں رزق اسے دوں گا!
جو طالبِ جنت ہو جنت کی طلب لائے!
جس جس کو گناہوں سے بخشش کی تمنا ہو!
وہ اپنے گناہوں کی کثرت سے نہ گھبرائے!
وہ مائلِ توبہ میں مائلِ بخشش ہوں!
میں رحم سے بخشوں گا، وہ شرم سے پچھتائے!
یہ سن کر ہوئے جاری آنکھوں سے میری آنسو!
قسمت ہے محبت میں، رونا جسے آجائے!
آقا گدا پرور سائل ہوں ترے در پر!
میں اور تو کیا مانگوں تو ہی مجھے مل جائے!

انتخاب: ولید احمد — شاعر: نامعلوم

آخر کب تک؟

اُف! یوں ہو توہینِ محمد (ﷺ)
اور پھر ملک ہمارا ہو
کیوں جگر نہ ہو ٹکڑے ٹکڑے
اور دل پارہ پارہ نہ ہو
صبر کی حد ہوتی ہے کوئی
آخر کب تک صبر کریں
اس بے شرمی کے جینے سے
بہتر ہے ہم ڈوب مریں
قید ہو اب یا دار کا تختہ
جو گزرے گی چھینکا گے
نام پہ تیرے جان دو عالم
جان کی بازی کھیلیں گے
تو ہے ہم کو جان سے بڑھ کر
مال اور ملک سے پیارا ہے
تیری محبت کامل ایماں
یہ ایمان ہمارا ہے

شاعر: سید امین گیلانی مرحوم

فضائل قربانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی۔ اس سے مواظبت ثابت ہوئی، جس کا مطلب ہے لگاتار کرنا، اس طرح اس سے وجوب ثابت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی نہ کرنے پر وعید فرمائی، احادیث میں بہت سی وعیدیں مذکور ہیں، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔" قربانی کی بہت سی فضیلتیں ہیں۔ مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قربانی تمہارے باپ (ابراہیم علیہ السلام) کی سنت ہے۔" صحابیؓ نے پوچھا: "ہمارے لیے اس میں کیا ثواب ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔" اُون کے متعلق فرمایا۔ "اس کے ایک بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔" (مشکوٰۃ ص: 129)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں ہے، اتنا یہ کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے۔" (طبرانی)

قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا بہت بڑا عمل ہے، حدیث میں ہے: "قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے، وہ گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔" (مشکوٰۃ شریف ص: 128)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ج4 ص: 158، مولانا یوسف لدھیانویؒ)

امت کی طرف سے قربانی

حضرت ابو طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ کی اپنی طرف سے قربانی کی اور دوسرے دنبہ کے متعلق فرمایا کہ یہ (قربانی) اس کی طرف سے ہے جو میری اُمت میں مجھ پر ایمان لایا اور جس نے میری تصدیق کی۔ (موصلی و طبرانی)

مطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کو ثواب میں شامل کرنا تھا نہ یہ کہ قربانی سب کی طرف سے اس طرح ہو گئی کہ اب کسی کے ذمے قربانی باقی نہیں رہی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضور نے قربانی میں اُمت کو یاد رکھا تو افسوس ہے کہ اُمتی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یاد نہ رکھیں اور ایک حصہ بھی آپ کی طرف سے نہ کریں۔ (حیوۃ المسلمین)

ام المؤمنین اُم سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب ذوالحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذوالحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو اس کو چاہیے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔ (یہ مستحب ہے، ضروری نہیں) (معارف الحدیث، صحیح مسلم) (اُسوۂ رسول اکرم ﷺ، ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفیؒ)

قحط الرّجال

قحط میں موت ارزاں ہوتی ہے اور قحط الرّجال میں زندگی۔ مرگِ انبوہ کا جشن ہو تو قحط، حیاتِ بے مصرف کا ماتم ہو تو قحط الرجال۔ ایک عالم موت کی ناحق زحمت کا، دوسرا زندگی کی ناحق تہمت کا۔ ایک سماں حشر کا، دوسرا محض حشرات الارض کا۔ زندگی کے تعاقب میں رہنے والے قحط سے زیادہ قحط الرّجال کا غم کھاتے ہیں۔

بے دِلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے، نہ دیں

(آوازِ دوست، مختار مسعود)

حکایت:

کہتے ہیں اردشیر بابک نے جو تین رقعے ایک مشہور و نیک نام بادشاہ گزرا ہے۔ فرمایا کہ تین رقعے لکھے جائیں اور اپنے ایک خاص غلام کے سپرد کیے اور کہا کہ کسی معاملے میں حکم کرتے وقت اگر مزاج تغیر پذیر ہو جائے اور غصہ و غضب کا اثر میری آنکھوں اور چہرے سے ظاہر ہونے لگے۔ قبل اس کے میں حکم کروں، پہلا رقعہ مجھ کو دکھلایا جائے، پھر اگر دیکھو کہ آتشِ غضب سرد نہیں ہوئی تو اس کے بعد دوسرا رقعہ دکھلاؤ اور اگر ضرورت پڑے تو تیسرا رقعہ بھی نظر سے گزار دینا چاہیے۔

مضمون رقعہ اوّل: تامّل کر اور اپنے ارادے کی باگ کو نفس امارہ کے قبضہ و تصرّف میں نہ دے، کیوں کہ تو مخلوق عاجز اور خالق قوی تر ہے۔ جس نے تجھے نیست سے ہست کیا۔

مضمون رقعہ دوم: زیر دستوں کے ساتھ جو کہ ودیعت پروردگار ہیں، شتاب زدگی سے معاملہ نہ کر اور ان لوگوں پر جو کہ تیرے مغلوب ہیں، رحم کر، تاکہ وہ تجھ پر غالب ہے، اس کے عوض تجھ پر رحم کرے۔

مضمون رقعہ سوم: اس شتاب کاری میں جو حکم کہ تو کرے، شرع سے تجاوز نہ کر اور انصاف سے جو کہ دین داری کا جزو اعظم ہے، درگزر نہ کر۔

(مخزن اخلاق، علامہ مولانا رحمت سبحانی لدھیانویؒ)

سفر نامۂ حج

محمد عبدالحمید صدیقی نظرؔ لکھنوی

سرگذشتِ مختصر ہے حجِ بیت اللہ کی
یعنی رودادِ سفر ہے حجِ بیت اللہ کی
سایہ افگن ہو گئی جب مجھ پہ شامِ زندگی
آرزوئے حجِ بیت اللہ دل میں جاگ اٹھی
اپنے خالق سے دعا جو روز و شب رہتا تھا میں
سننے والا ہے جو سب کی، اس سے بس کہتا تھا میں
جامۂ احرام باندھا ساز و ساماں کچھ لیا
گھر سے پھر لبیک کہتا سرخوشی میں چل دیا
شام کو جدہ پہنچ کر عازمِ مکہ ہوا
مولدِ ختم الرسلؐ یعنی سوئے ام القریٰ
اپنے اک ناچیز بندہ پر خدا کا یہ کرم
عزت و اکرام سے لے جا کے دکھلایا حرم
الغرض گیارہ بجے شب داخلِ مکہ ہوا
جھانک کر دیکھا حرم تھا نور میں ڈوبا ہوا
روشنی تھی اس قدر، تھا رات کو دن کا سماں
ایسا لگتا تھا کہ رات آتی نہیں جیسے یہاں
ساتھ سب ہمراہیوں کے پھر کیا عمرہ ادا
طوفِ بیت اللہ کیا، سعیِ صفا مروہ کیا
خانۂ کعبہ پہ طاری تھا خداوندی جلال
کر سکے کوئی بیاں اتنی کہاں تاب و مجال
ختم دوری لگ رہی تھی عابد و معبود میں
فاصلہ جیسے نہ تھا کچھ ساجد و مسجود میں
سعیِ بیتابانہ مروہ اور صفا کے درمیاں
عشقِ قلبِ ہاجرہ کی ایک زندہ داستاں
آبِ زمزم پُر مزہ، شیریں، مصفّیٰ، خوشگوار
سیر ہو کر زائریں پیتے تھے جس کو بار بار
پیٹ بھر کر ہی پیا ہم نے اسے جس دم پیا
ہم یہ کہہ سکتے ہیں ہم نے خوب ہی زمزم پیا
دیکھتے ہی دیکھتے ایامِ حج جب آ گئے
جامۂ احرام میں حاجی منیٰ کو چل دیے
قلبِ ہر زائر منیٰ جانے کو بے کل ہو گیا
پانچ دن کے واسطے جنگل میں منگل ہو گیا
ایک وادی دور تک پھیلی ہوئی وہ بے کنار
چاروں جانب ایستادہ جس کے اونچے کوہسار
شام آئی رات گزری جب ہوا وقتِ پگاہ
بس پہ چڑھ کر منزلِ عرفات کی لی سب نے راہ
تھا عجب خیموں کا منظر وادیِ عرفات میں
آ گئی دنیا سمٹ کر وادیِ عرفات میں
ازدحامِ اللہ اکبر وادیِ عرفات میں
آ رہی تھی یادِ محشر وادیِ عرفات میں
شام ہوتے ہی وہاں سے سوئے مزدلفہ چلے
جا رہے تھے آگے پیچھے حاجیوں کے قافلے
وقتِ رخصت اف دعائیں سسکیوں کے درمیاں
رقت انگیزی کا دل کی یاد ہے اب تک سماں
قدر کی شب سے بھی افضل رات مزدلفہ کی ہے
ہے وہ بابرکت جگہ کیا بات مزدلفہ کی ہے
زیرِ چرخِ پیر فرشِ خاک پر بستر بچھا
صبح ہوتے ہی منیٰ پھر قافلہ واپس ہوا
جمرۂ عقبیٰ پہ کی ہر فرد نے جا کر رمی
مستقر پر آ گیا کر کے رمی ہر آدمی
ہم چلے خیمہ سے اپنے جانبِ قربان گاہ
تھا ہجوم اتنا بڑا ملتی نہ تھی چلنے کی راہ
ذبحِ اسماعیل کی اللہ رے یہ یادگار
ذبح ہونے کو مویشی تھے قطار اندر قطار
جانور مذبوح جتنے تھے زمیں پر تھے پڑے
ذبح ہونا تھا جنھیں وہ سر جھکائے تھے کھڑے
اونٹ کا سودا چکا کر اونٹ قرباں کر دیا
کام قربانی کا ہم نے حسبِ فرماں کر دیا
طوفِ زیارت دوسرے دن جا کے مکہ میں کیا
اپنے خیمہ میں اسی دن پھر منیٰ واپس ہوا
بارھویں کی شام تک ہم آ گئے ام القریٰ
لطف و فضلِ رب سے فرضِ حج پورا ہو گیا
اب دلِ پُرشوق میں تھا بس مدینے کا خیال
کر رہے تھے انتظارِ لطفِ ربِّ ذوالجلال
شہرِ طیبہ میں قدم زن ہم ہوئے وقتِ عشا
آٹھ دن رہنے کی اگلی صبح سے تھی ابتدا
گنبدِ خضریٰ پہ میری جب پڑی پہلی نظر
کیا بتائیں کیفیت گزری جو قلب و روح پر
مسجدِ نبوی کے سب مینار ہیں کیف آفریں
شہر پورا فیضیابِ رحمۃ اللعالمیں
اشک افشاں آنکھ ہو جاتی تھی دورانِ سلام
کیا کہیں کیسی جگہ ہے روضۂ خیر الانامؐ
روح کو تسکین ملتی دل کو ملتا تھا قرار
ہم سلام اٹھ کر پڑھا کرتے تھے دن میں بار بار
جس طرف اٹھتی تھیں نظریں تھے نمازی ہر جگہ
کوئی باقی تھی نہ مسجد میں کہیں تل بھر جگہ
ہر گلی کوچے سے وابستہ ہے یادِ مصطفیٰؐ
سیر اُن کوچوں میں کی ہے آٹھ دن تک مرحبا
ذرہ ذرہ خاکِ طیبہ کا قدم بوسِ رسولؐ
چشمِ ہر مومن کا سرمہ مرحبا ہے واں کی دھول
آٹھ دن وہ زندگی کے زندگی کی یادگار
پُر جمال و بے مثال و پُر سکون و پُر بہار
دل کی دنیا میں اجاگر ہے مدینے کا خیال
پھر رہا ہے میری نظروں میں مدینہ کا جمال
رات کی تنہائیوں میں دل پہنچتا ہے وہیں
تا دمِ آخر مدینہ بھول سکتا ہوں کہیں
ہے خدا کا شکر روضہ کی زیارت ہو گئی
اے نظرؔ اب دل کو امیدِ شفاعت ہو گئی

روہنگیا مہاجرین اور شامی بھائیوں کے ساتھ ساتھ

فلسطینی بھائیوں کے لیے بیت السلام کی خدمات

رپورٹ: خالد معین

رمضان کے آخری دنوں میں اسرائیل نے **فلسطینی بھائیوں** پہ زمین تنگ کردی، ان کی عید بھی اسی میں گزری اور عید کے بعد اس ظلم میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ظالم اسرائیلیوں نے بمباری اور گولہ باری سے ان کا جینا مشکل کردیا۔ ایسے میں **بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ** ترک رفاہی اداروں کے توسط اور اہل خیر کی مدد سے **فلسطینی بھائیوں** کی خدمت کے لیے سب سے پہلے پہنچا۔

ذیل میں ان ترک رفاہی اداروں کے نام اور ان کے توسط سے کی جانے والی خدمات کی تفصیل دی جارہی ہے

دیانت وقف فاؤنڈیشن کے توسط سے

* ایمبولینس سروس کی فراہمی
* معذورین کے لیے ویل چیرز
* تباہ شدہ گھروں کی تعمیر نو
* گھریلو استعمال کے سامان کی فراہمی

آئی ایچ ایچ کے ذریعے

* ہسپتالوں کے جنریٹرز کے لیے تیل کی فراہمی
* میڈیکل، سرجیکل آلات
* دوائیں

ترک کزلے کے توسط سے

* یتیم خانے کی تعمیر نو
* یتیم بچوں کے لیے فراہمی لباس

یواین آر ڈبلیو کے توسط سے

* پکا پکایا کھانا
* طبی آلات

امام اعظم ایسوسی ایشن کے ذریعے

* پکا پکایا کھانا
* مریضوں کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے انتظامات

J.

FRAGRANCES

Cengiz Coşkun

SAVAŞÇI

WARRIOR

The Weapon of Passion

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J.Fragrances.Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

BAITUSSALAM

اجتماعی قربانی 2021

وقف

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

گائے فی حصہ

A	B	C
12,500	10,500	7,500

بکرا/دنبہ

A	B
25,000	20,000

اس سال ایک کروڑ مستحقین تک قربانی کا گوشت پہنچانے کا عزم آپ کے تعاون سے

donations@baitussalam.org
EMAIL US

021-111-298-111
CALL US FOR BOOKING

qurbani.baitussalam.org
ONLINE BOOKING